حیرت انگیز فسانوں کا سلسلہ نمبر دوم

حسرت

ایک دلچسپ فسانہ

منشی احمد حسین خاں صاحب بی اے نے

مطبع خادم التعلیم میں طبع کرایا

اور پانچویں مرتبہ

سنہ ۱۹۰۳ء میں

کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس میں
منشی [illegible] کے اہتمام سے چھپا

انٹروڈکشن

پیارے ناظرین! اس چھوٹے سے ناول میں جہاں تک ممکن ہو سکا ہے مشرقی اور مغربی خیالات کو اس طرح ملانے کی کوشش کی ہے کہ اس ناول میں اب نیا انداز پیدا ہو گیا ہے۔ عبارت کی درستی، فقرات کی بندش، مطالب کی برجستگی اور قصہ کی خوبی جو کچھ ہے سب آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ اگر آپکو اس سے دلچسپی پیدا ہو گئی تو میں سمجھونگا کہ میں نے اپنی محنت کا عوض بھر پایا۔

۱۴ اگست ۱۸۹۴ء | احمد حسین خاں
لاہور

فہرستِ مطالب

فصل پہلی

دو ملاہیں مرغی حرام

اللہ اللہ! بچپن کا زمانہ بھی عجیب زمانہ ہے۔ انسان کی عمر میں بادشاہت کا زمانہ ہے۔ سچ پوچھو تو یہ بڑی بے فکری کا زمانہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں نے غم ذرد نے غم کالا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں دن عید ہے تو رات شب برات ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں آئینہ دل گرد کدورت سے صاف ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں داماں ایمان داغ عصیاں سے پاک ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جسمیں دنیاوی آفتیں دل کو نہیں ستاتیں پریشانیاں ستم نہیں ڈھاتیں۔ ہاں یہ وہ زمانہ ہے جس میں خانہ دل تفکرات معیشت سے خالی ہوتا ہے۔ بیشک! یہ وہ زمانہ ہے کہ جسمیں دل کے گھر میں یاس و حرمان کے مہمانوں کا گذر نہیں ہوتا ٭

اے تاجدار سر! کیا تجھے حقیقی بادشاہت نصیب ہے؟ نہیں ہرگز نہیں غنیم کا غم تجھے ہے۔ رعیت کا غم تجھے ہے۔ ملک کا غم تجھے ہے۔ تیری شاہنشاہی تیرا دکھاوا اونچی دوکان پھیکا پکوان۔ تو دن رات کانٹوں پر لوٹتا ہے تجھے کسی پہلو قرار نہیں ہے پیچ پیچ کے سردار۔ سچ مچ کے نواب۔ سچ مچ کے بادشاہ یہ بچے ہیں کہ جن کے ننھے ننھے دل واہیات خیالات سے پاک ہوتے ہیں ٭

اے قارون! تو بڑے خزانہ کا مالک ہے۔ تو صاحب زر ہے۔ زر ہے تو سب کچھ ہے ؎

منعم بکوہ ودشت وبیاباں غریب نیست ۔ ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

تجھے کسی کی کیا پرواہ ہے۔ تجھے زر کی بدولت سب کچھ میسر ہو سکتا ہے ع

زرگر سر فولاد نہی نرم شود

کیا تو نے نہیں سُنا؟ ؎

اے زر تو خدا نۂ ولیکن بہ خدا ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

یہ سب سچ ہے لیکن تجھے بھی غم ہے۔ چور۔ ڈاکو۔ راہزن۔ قزاق۔ گرہ کٹ تجھے فکر مند بنائے رہتے ہیں۔ سو طرح کے فکر تجھے ہر وقت لاحق حال رہتے ہیں مجھے تیری حالت قابل رشک نظر نہیں آتی پس سچی خوشی بچوں ہی کا حصہ ہے کہ جنہیں اس جھوٹی دولت کی پرواہ نہیں۔

اے وصل نصیب! تجھے کیا چاہیئے۔ تیرا دلدار۔ تیرا یار۔ تیرا جانی تیرا مونس۔ تیرا غمگسار تیرے پہلو میں ہے۔ لیکن نہیں تو بھی فکر مند ہے۔ کمال کو زوال کا غم۔ بہار کو خزاں کا غم۔ وصل کو ہجر کا غم ہمیشہ لگا رہتا ہے۔ ؎

زندہ وصل سے ہو دل کی تسلی کیونکر مجھکو ڈر ہے کہ وہ وعدہ سے پشیماں ہوگا

پس سچا آرام بچوں ہی کے لئے ہے کہ جنہیں ان بکھیڑوں سے سروکار نہیں۔

اے زاہد قائم اللیل! تجھے روحانی زندگی حاصل ہے۔ تو دنیا و مافیہا کے جھمیلوں سے بیخبر ہے۔ تجھے بیشک اطمینان کلی حاصل ہے۔ لیکن اکیا تکا جواب تو دے کیا تجھے فردوس بریں کی خواہش نہیں۔ کیا تجھے جنت اور ارم کے لہلہاتے باغ کا دن رات خیال نہیں لگا رہتا کیا تیری آنکھوں میں حور و غلمان نہیں پھرا کرتے؟ ضرور پھرتے ہیں تجھے بھی جیسا چاہیئے ویسا آرام حاصل نہیں۔ پس دنیا میں بیفکری کا زمانہ۔ بے پرواہی کا زمانہ۔ چین کا زمانہ۔ خوشی کا زمانہ اور بادشاہت کا زمانہ بچپن ہی کا زمانہ ہے۔

اس بیفکری کے زمانہ میں ایک نو آباد بستی میں تین بچے دریا کے کنارہ کھیل رہے تھے۔ دو لڑکے تھے ایک لڑکی۔ ایک کا نام جو سب سے بڑا تھا مظفر تھا اور دوسرے کا منصور اور لڑکی کا نام حسن آرا تھا۔ اگرچہ حسنا کہہ کر لاڈ سے ماں باپ اُسے پکارا کرتے

تھے۔ مظفر کی عمر تیرہ سال کی۔ منصور کی بارہ اور حسن آرا کی دس یا گیارہ سال کی تھی۔

مظفر ماہی گیر کا پسر تھا۔ اور شکل و صورت کے لحاظ سے نہایت وجیہ ملیح تھا۔ منصور جو آسیابان کا بیٹا تھا۔ اگرچہ خوبصورتی میں مظفر کا ہم پلہ نہ تھا مگر اس سے بہت کم بھی نہ تھا دونوں میں صرف انیس بیس کا فرق تھا۔ اور حسن آرا تو اسم بامسمی تھی۔ تمام موضع میں اس کے حُسن و جمال کا شہرہ تھا۔ اور ہر ایک یہی کہتا کہ بڑی ہو کر یہ زہرہ جبین ستم ہی ڈھائیگی۔ مظفر کی طبیعت تند۔ سرکش اور غصہ ور تھی۔ اور منصور حلیم بردبار سلیم الطبع تھا۔ مظفر آتش مزاج تھا اور چاہتا تھا۔ کہ جو کچھ میں چاہوں فوراً ہو جاوے۔ ور منصور بتدریج منزل مقصود پر پہنچنا پسند کرتا تھا مظفر کی مزاج میں تیزی تھی تو منصور حلمی مجسم تھا۔ غرض دونوں لڑکوں کی طبیعت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ یہ تینوں بچے دریا کے کنارہ پر کھیل رہے تھے۔ ایک جھونپڑی کو مکان تصور کیا ہوا تھا۔ اور حسن آرا اُس گھر کی مالکہ بنی ہوئی تھی۔ اب مظفر اور منصور دونوں جھگڑتے تھے وہ کہتا کہ یہ میری بیوی ہے اور یہ کہتا تھا کہ نہیں میری ہے۔

مظفر:۔ "تیری کیا مجال جو تو اس کو دیکھ بھی سکے"

منصور:۔ "کیوں؟ تمہارا ٹھیکہ ہے"

مظفر:۔ "ہاں ہے۔ میرا تو ارادہ ہے کہ بڑا ہو کر خوب سا کماؤں اور حسن آرا سے شادی کروں"

منصور:۔ "اور میرا بھی یہی ارادہ ہے چاہے جان جائے۔ پر حسن آرا نہ جائے میرے والد نے دو خراس کل خریدے ہیں اب ہمارا آٹا بہت بکیگا اور ہم جلد امیر ہو جاوینگے"

مظفر:۔ "منہ دھو رکھو ایسا کبھی نہ ہوگا"

منصور:۔ "ضرور ہوگا اور پھر ضرور ہوگا"

مظفر:۔ "تمہارے جیسے واہی بہت دیکھے ہیں"

منصور: بھلا ممکن ہے کہ کامیاب نہ ہوں ؎

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

منظفر: دیکھی پیر تیری کرامات۔

منصور: سر شمع ساں کٹائیے اور دم نہ ماریئے
منزل ہزار سخت ہو ہمت نہ ہاریئے

منظفر: یہ سب درست مگر پہلے مجھ پر غالب آلو پھر فرعون بے ساماں بننے کا دعوے کرنا۔

منصور: کیا تم لڑنا چاہتے ہو؟

منظفر: (خم ٹھوک کر) ابھی۔

منصور: مانا کہ تم رستم ثانی ہو۔ مگر دو مارو گے تو کیا ایک بھی نہ کھاؤ گے۔

منظفر: ابے ابھی کچومر نکال دونگا۔ تو ہے کیا وہی مثل ہے۔ کیا پدڑی اور کیا پدڑی کا شوربا۔

منصور: لو اب کیوں پیلے پڑتے ہو۔ جس وقت شادی کا موقع آویگا دیکھا جاویگا۔

منظفر: دنیا بہ امید قائم ہے۔ ہم ابھی تصفیہ کرنا چاہتے ہیں۔

منصور: گاؤں بسا نہیں۔ چور پہلے ہی آموجود ہوئے۔

منظفر: زبان کو لگام دے۔ اور بازوؤں میں کچھ خم دم ہے۔ تو میدان میں آ۔

منصور: تم ناحق گلے کا ہار ہو گئے۔ ع
گلے کا ہار ہوئے تم بلائے جان کی طرح

منظفر: اب باتیں نہ بگھارو۔ اور میدان میں آؤ۔

منصور: اب کسی طرح ٹلو گے بھی۔

منظفر: اسی طرح کہ حسن آرا کا خیال خام دل سے دور کرو۔

منصور۔ یہ تو ہرگز نہ ہوگا۔ ؎

مرا دِ عشق پراز بسکہ ہے ثابت قدم میرا دمِ شمشیرِ قاتل پر بھی خون جاتا ہے جم میرا

مظفر۔ اے بے ادب چونچ سنبھال ؎

بروایں دام بر جائے دگر نہ کہ عنقارا بلند است آشیانہ

منصور۔ یہ گیدڑ بھبکیاں کسی اور کو دو۔

مظفر۔ اچھا تو یہ لو۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار ــــــ اور لیگا۔

میاں منصور کے تیور بدل گئے۔ سر میں چکر آگیا زمین پر گر پڑے اور رونے لگے۔ حسن آرا دوڑی ہوئی آئی۔

حسن آرا۔ واہ مظفر ہمکو یہ بات ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ تم ہر وقت مارکٹائی پر آجاتے ہو۔ بھائی منصور کیا ہوا خفا۔

منصور۔ میں نے کہا تھا کہ جب بڑا ہونگا خوب کماؤنگا۔ ڈھیر سارا روپیہ جمع کرونگا۔ اور حسن آرا سے شادی کرونگا۔ اس بات پر ان کو غصہ آگیا۔ اور مارنے کو لپٹ پڑے۔

مظفر۔ پھر حسن آرا کا نام لیتا ہے۔

منصور۔ لونگا اور سو بار لونگا۔ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے ؎

میں کہاں سنگِ درِ یار سے ٹل جاؤنگا وہ نہ پتھر ہے پھسلتا کہ پھسل جاؤنگا

حسن آرا۔ بھائی مظفر تم ہی چپ ہو جاؤ۔ بھلا لڑائی میں کیا فائدہ ہے۔

مظفر۔ ایک۔ دو۔ پھر نام لے۔

حسن آرا۔ خدا کے واسطے باز آ۔ کیوں بیچارہ کو مارتا ہے۔ بار خدایا کوئی کمزور نہ ہو۔

منصور۔ مارے جا۔ بھلا حسن آرا ان سے پوچھئے تو۔ یہ کیوں جلتے ہیں۔

مظفر۔ اسلئے کہ جو تیرا ارادہ ہے وہ ہمارا ارادہ ہے۔ ہم اسی امید پر جیتے ہیں ہم وہ نہیں ہیں کہ رقیب روسیاہ کو دیکھیں اور خموش ہو رہیں ؎

بات تیری تو نہیں کوئی بری لگتی ہے صحبت غیر مگر دل پہ چھری لگتی ہے

حُسن آرا: "خوب دو ملا میں مرغی حرام"

منصور: "بندہ ان باتوں سے ڈر نہیں جائیگا"

مظفر: "کیوں سر پر قضا کھیل رہی ہے"

حُسن آرا: "مجھ کمبخت کے لئے نہ لڑو"

منصور: "قضا ہمارے دشمنوں کے سر پر کھیل رہی ہو گی"

مظفر: "دیکھو حُسنا پھر اس کی شامت آئی ہے"

حُسن آرا: "تم ہی غصہ کو تھوک دو اسی کو بڑا بن جانے دو"

مظفر: "چہ خوش تیار شد میں تو اس کے خون کا پیاسا ہوں"

منصور: "دیکھتی جاؤ حُسنا یہ باز نہیں آتا"

حُسن آرا: "تم ہی چپ ہو رہو گے تو تمہاری ذات میں فرق آجائیگا"

منصور: "(رو کر) تم بھی مجھ ہی کو دھمکاتی ہو۔ اس کو منع نہیں کرتیں"

مظفر: "رو کر ڈراتا ہے"

حُسن آرا: "خدا کیواسطے اس لڑائی کو موقوف کرو"

مظفر: "لڑائی کا خاتمہ تو تب ہوگا۔ جب یہ آیندہ اس خیال سے باز آئیگا"

منصور: "اس بات کی توقع نہ رکھو"

مظفر: "بس تو بندہ بھی آپکے فرق دان پر ایک بال باقی نہ رکھیگا"

حُسن آرا: "میرے لئے لڑتے ہو نہ"

منصور: "اس بات کا ان کو رشک ہے"

مظفر: "تم ابھی تک سمجھی نہیں"

حُسن آرا: "بندی تمہارا فیصلہ کئے دیتی ہے"

مظفر: "کیسے فیصلہ کرو گی"

حُسن آرا: "بھولے پن سے تنازع رفع کرنے کے خیال سے) تم لڑو نہ میں دونوں

بیاہ کرونگی"

فصل دوسری

کار امروز بفردا مگذار

اس بات کو چار سال گذر گئے۔ یہ لڑکے بھی سیانے ہو گئے۔ اور ان کے والدین نے انکا ملنا جلنا بند کرا دیا۔ اس چار سال کے عرصہ میں مظفر یتیم ہو گیا۔ اور چونکہ باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ترکۂ پدری کا تنہا وارث ہوا۔ مظفر ہونہار تھا۔ اور محنتی اور جفاکش بھی تھا اور چونکہ ان دنوں اس ساحل دریا کی بستی میں مچھلی کی تجارت زور پر تھی بہت جلد مالدار ہو گیا۔ اس نے ایک نہایت عمدہ مکان خریدا جس کے متصل ایک پائیں باغ تھا جس میں حوض بھی تھا۔ فوارے بھی لگے ہوئے تھے۔ غرض بڑے فضا کا مقام تھا اس مکان کو مظفر نے خوب آراستہ کیا۔ اور دن رات محنت کر کے بہت سا روپیہ کمایا جب اچھی طرح مرفہ الحال اور آسودہ حال ہو گیا۔ تو حسن آرا کے ہاں شادی کا پیغام بھیجا۔

اس اثناء میں منصور نے بھی اپنے کاروبار میں بہت سا روپیہ کمایا تمام لوگ اسکی دیانتداری اور میٹھی زبان سے خوش تھے۔ اس کی دوکان کا سیدا مشہور تھا سودا جی توجیسی اس کے خراس پر ہوتی تھی۔ تمام بستی میں نہیں ملتی تھی۔ اس نے بھی حسن آرا کو شادی کا پیغام بھیجا۔

اب لطف یہ کہ اگرچہ حسن آرا منصور کو مظفر سے اچھا جانتی تھی۔ اور مظفر کی بہ نسبت منصور پر زیادہ مہربان تھی مگر محبت مظفر کی ہی اس کے دل میں گھر کر گئی اور مظفر کا ہی پیغام منظور ہوا۔ پیغام کے منظور ہوتے ہی جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو گیا۔ بیچارے منصور کو جب یہ خبر لگی۔ تو یہ شعر بڑی حسرت کیساتھ پڑھکر خموش ہو رہا ع

وہ بھی ہو گا کوئی امید بر آئی جس کی
اپنا مطلب تو نہ اس چرخ کہن سے نکلا

شادی کے بعد حسن آرا اُس نئے مکان میں اپنے شوہر کے پاس آ رہی بیوی شوہر کی شیدا تھی۔ اور شوہر بیوی کا عاشق تھا۔ پھر کیوں نہ چین سے زندگی گذرتی دن عید اور رات شب برات تھی کسی طرح کا غم و الم نہ تھا۔ اپنی نیند سونا۔ اپنی نیند جاگنا تھا۔ سب طرح کی آسائش مہیا تھی۔ بغرض بڑے لطف سے زندگی گذرتی تھی جب کوئی سہیلی حسن آرا سے پوچھتی کہ سناؤ کیسی گذرتی ہے تو جواب میں حسن آرا میاں جرات کا یہ برجستہ شعر پڑھا کرتی تھی ؎

رہے ہے جیسے ہم آغوش جبکہ یہ پیارا — عجب مزے کی ہیں راتیں عجب ہیں پیارے دن

خوشی کے دن بہت جلد گذر جاتے ہیں۔ یہ ایسی جلدی جاتے ہیں کہ جاتے ہوئے معلوم نہیں ہوتے۔ گویا وقت کو پر لگجاتے ہیں یا اُس میں بجلی کی سرعت آجاتی ہے یا اندیشہ کی تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اِدھر شادی ہوئی اُدھر سات سال پلک جھپکنے میں گذر گئے۔ شادی کے دو سال بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی جسکا نام بزم آرا رکھا گیا حسن ظاہری میں یہ لڑکی اپنی والدہ کا نمونہ تھی۔ جب ماں باپ خوبصورت تھے تو لڑکی کیوں نہ چندے آفتاب چندے مہتاب ہوتی شادی کے چار سال بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام ناصر رکھا گیا۔ لڑکا بھی چودھویں رات کا چاند تھا۔ بلکہ چاند بھی اُس کے رُخ روشن کے مقابلہ میں ماند تھا۔ یہ شعر اُس نومولود مسعود کے حسب حال تھا ؎

شنیدہ کے بود مانند دیدہ
ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ

ناصر کی پیدائش کے بعد میاں بیوی میں ایک دن عجیب مزے کی گفتگو ہوئی۔

حسن آرا " پیارے مظفر اب تم ذرا اخراجات کم کر دو "
مظفر " کیوں پیاری خیر تو ہے یہ بات تم نے کیوں کہی "

حسن آرا:" یونہی "

مظفر:" پھر بھی تمہیں بیٹھے بیٹھے یہ کیا خیال آگیا "

حسن آرا:" انسان کو ہر وقت کے لئے تیار رہنا چاہئیے۔ انسان کے ساتھ درد اور دُکھ بھی شریک ہے۔ اگر چار پیسے جمع ہونگے تو وقت پر ہمارے ہی کام آئینگے "

مظفر:" بیشک تم نے بجا کہا میں اس بات پر غور کرونگا "

حسن آرا:" نہیں نہیں غور کی کوئی بات نہیں ارادہ مصمم کرلو کہ جو آمدنی ہے اُس میں سے اگر نصف نہ بچاؤ تو تیسرا حصہ تو ضرور جمع کیا کرو۔ یہ رویہ اب چھوڑ دو تم جو کماتے ہو وہی خرچ کر ڈالتے ہو۔ اللہ رکھے دو تین سو روپیہ مہینہ کی آمدنی ہے اگر سوڈیڑھ سو روپیہ مہینہ کا خرچ بھی رکھو تو بھی سوڈیڑھ سو بچ رہیں اب تم صاحب اولاد ہو بچوں کا بھی فکر کرنا چاہئیے "

مظفر:" اُن کا فکر مجھے کیا۔ اللہ اُن کا پالنے اور پرورش کرنیوالا ہے "

حسن آرا:" اللہ تو سب کا پالنے والا ہے۔ مگر کوشش شرط ہے۔ تم نے نہیں سُنا کہ

السعی منی والاتمام من اللہ

مظفر:" میرا کوشش پر اعتقاد نہیں ہے۔ میرا ہمیشہ توکل پر بھروسہ ہے "

حسن آرا:" توکل پر بیشک بھروسہ کرو۔ مگر میری عرض بھی قبول کرو۔ جو میں کہتی ہوں اُس میں کونسی بُری بات ہے "

مظفر:" کوئی بُری بات نہیں بلکہ تم نے تو دانائی کی بات کہی ہے "

حسن آرا:" انسان کو ہر وقت آئیندہ زمانہ کا خیال رکھنا چاہئیے "

مظفر:" بیشک مگر انسان کی تدبیر نہیں چلتی۔ جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے۔ آئیندہ کی کسے خبر ہے۔ آج مرے کل دوسرا دن "

حسن آرا:" یہ سچ ہے مگر پیارے شوہر اولاد کا بھی فکر کرنا چاہئیے۔ خدا

نے ہمکو صاحب اولاد کیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ تعلیم و تربیت کا خیال رکھیں اُن کے لئے کم از کم اتنا تو ہو کہ اگر خدانخواستہ ہمارا سایہ اُن کے سر سے اُٹھ جاوے تو گلی کوچوں میں فقیروں کی طرح نہ مانگتے پھریں۔"

منظفر: "خدانخواستہ۔"

حسن آرا: "انسان کو معیشت کے لئے ہر آن مستعد رہنا چاہئیے۔"

منظفر: "کچھ فکر نہیں۔ شیروں کے بچے ہمیشہ شیر ہی ہوا کرتے ہیں۔"

حسن آرا: "یہ بڑا غرور کا کلمہ ہے۔"

منظفر: (مسکرا کر) گھبراؤ نہیں۔ جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی ہو گا۔"

حسن آرا: (تنگ ہو کر) کب ہو گا۔ قیامت کو ہو گا۔"

منظفر: "کل ہی اس بات کا انتظام کر دونگا۔"

حسن آرا: "تمہاری کل مجھے بیکل کئے دیتی ہے۔ داناؤں کا قول ہے آج کا کام کل پر مت ڈالو۔"

منظفر: "تم تو ہتھیلی پر سرسوں جماتی ہو۔"

حسن آرا: "پیارے تم غلطی پر ہو یہ ضروری ہے۔ کہ آج کا کام کل ہی کیا جاوے۔"

منظفر: "خواہ مخواہ بھی۔"

حسن آرا: "جس طرح سے ہو سکے۔ میں تمہیں اسی بات پر ایک حکایت سناتی ہوں ذرا گوش ہوش سے سنو۔"

حسن آرا: "کسی گاؤں میں ایک دولتمند زمیندار تھا جسکا نام عبداللہ تھا اتفاقاً اُسے شہر میں آنا پڑا جب وہ اپنا ضروری کام نمٹا چکا تو اُس نے سوچا کہ ابھی دن چھ گھنٹہ باقی ہے۔ پھر خدا جانے کب شہر میں آنیکا اتفاق ہو چلو لگے ہاتھ کسی مقنن سے ایک رائے بھی لیتے چلیں اسی شہر میں ایک نامی فاضل بیرسٹر رہتا تھا جسکا نام رائیگن تھا۔ اُس کی شہرت

اس قدر تھی کہ اُس کا لکھا نوشتہ کی اور پتھر کی لکیر سمجھا جاتا تھا۔ اور ججان عدالت عالیہ ہائی کورٹ بھی کبھی اُس کی رائے کے برخلاف فیصلہ نہیں دیتے تھے پس میاں عبداللہ نے راٹیگن صاحب کی کوٹھی کا پتہ دریافت کر کے سیدھا اُس طرف کا رُخ کیا۔

جب میاں عبداللہ ایک رفیع الشان کوٹھی پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ صدہا لوگ راٹیگن صاحب کے مشورہ کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پس اُنکی گھنٹہ بھر کے انتظار کے بعد باری آئی۔

جب اُن کی باری آئی تو منشی اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا چلئے صاحب یاد فرماتے ہیں۔ میاں عبداللہ فوراً منشی کے ساتھ ایک سجے سجائے کمرہ میں گئے جہاں ایک بیش قیمت میز کے سامنے راٹیگن صاحب بہادر عینک لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ انکو دیکھکر اُنھوں نے عینک کو اتار کر ایک سفید ریشمی رومال سے پونچھا اور پھر لگایا۔ تاکہ انکا چہرہ اچھی طرح سے نظر آنے لگے۔ پھر مخاطب ہو کر نہایت اہلیت کیساتھ فرمایا تشریف رکھئے۔ میاں عبداللہ ایک آبنوسی چوکی پہ بیٹھ گئے۔ اسکے بعد اُن دونوں میں یہ گفتگو ہونے لگی۔

راٹیگن "فرمائے کیا مطلب ہے"

عبداللہ "ایمان کی بات تو یہ ہے کہ خاص کوئی کام نہیں ہے مگر اتفاقاً شہر میں آنا ہوا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ پھر خدا جانے کب آنا ہو چلوں لگتے ہاتھ آپ سے رائے بھی لیتا جاؤں"

راٹیگن "میں آپکا بڑا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اعتبار کے لائق سمجھا میرا یہ خیال ہے۔ کہ شائد آپکا کوئی مقدمہ دائر ہے"

عبداللہ "مقدمہ! یہ کس چیز کا نام ہے۔ خدا نہ کرے کہ مجھے کبھی مقدمہ درپیش ہو میں مقدمات سے ہمیشہ پرہیز کرتا ہوں۔ اور میری اتنی عمر ہوئی ہے۔ آجتک میرا کبھی کسی سے تنازع نہیں ہوا"

راٹنگن: تو شاید آپ کوئی جائداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔

عبداللہ: نہیں جناب۔ بالفعل میرے ساتھ آرام کی زندگی بسر کرتا ہے اور خوش ہے اور خدا نہ کرے کہ انکو جائداد تقسیم کرنیکا دن آوے۔

راٹنگن: تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ کوئی اقرار نامہ در بارۂ خرید انتقال جائداد تحریر کریں۔

عبداللہ: نہیں حضرت میرے پاس اس قدر روپیہ نہیں ہے کہ کوئی جائداد اور خریدوں اور میں ایسا مفلس بھی نہیں ہوں کہ پہلی جائداد بیچ ڈالوں۔

راٹنگن: تو اپنے مدعا جلد بتائیے۔ پھر وہ کونسی انوکھی بات ہے جو آپ مجھ سے کرانے آئے ہیں۔

عبداللہ: میں آگے ہی عرض کر چکا ہوں شاید آپکو یاد نہیں ہا کہ مجھے رائے درکار ہے۔ اب میں یہاں آگیا ہوں اور یہ افسوس کی بات ہے کہ بغیر رائے لئے چلا جاؤں۔

مسٹر راٹنگن نے عبداللہ کے منہ کی طرف دیکھا اور مسکرائے۔ پھر قلم اٹھاکر عبداللہ سے دریافت کیا۔

"آپ کا نام کیا ہے۔"

"میرا نام عبداللہ ہے۔"

"اور کیا سن و سال ہے۔"

"تخمیناً چالیس سال۔"

"آپکا پیشہ۔"

"زمینداری۔"

اُسکے بعد راٹنگن صاحب نے دو سطریں ایک کاغذ پر لکھیں اور وہ کاغذ میاں عبداللہ کے ہاتھ میں مسکراتے ہوئے دیا۔

عبداللہ: بس! شاید آج آپ بہت کام میں مشغول ہیں۔ اور زیادہ لکھنے

کی فرصت آپکو نہیں ہے خیر! فرمائیے۔ اس کی کیا فیس ادا کروں"
راہگیر: ۵۰ روپیہ"

میاں عبداللہ نے فوراً ۵۰ روپیہ دیدیئے اور کاغذ کا پرچہ لے کر جیب میں ڈال لیا۔ اور خوش خوش گھر کیطرف روانہ ہوا۔ جب عبداللہ گھر پہنچا تو چار بج گئے تھے۔ اس لئے سفر کا تکان اور کسل دور کرنے کے لئے سیدھا گھر جاکر چارپائی پر دراز ہوگیا۔ اتفاقاً میاں عبداللہ کے کاشتکاروں نے بھوسہ گاہ کرا نبار لگادیا تھا۔ اور وہ انبار خشک بھی ہوگیا تھا۔ اسلئے ایک مزارع میاں عبداللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اگر حکم ہو تو بھوسہ اٹھا کر اندر رکھدیا جاوے"

میاں عبداللہ کی بیوی بلا کی تلخ مزاج تھی کہنے لگی۔ کہاں کی تواتی پڑگئی آج تمہارا مالک تھکا ماندہ ہے کل دیکھا جائیگا"

مزارع نے کہا کہ اگر رات کو بارش یا طوفان آگیا تو سینکڑوں پر پانی پھر جائیگا اور علاوہ اس کے آج گاڑیاں وغیرہ موجود ہیں۔ اور مزدور بھی خالی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں"

میاں عبداللہ کی زوجہ نے جواب دیا کہ کوئی صورت بارش وغیرہ کی نظر نہیں آتی دیکھ لو۔ آسمان صاف ہے۔ ابر کا وقت بھی نہیں رہا کام کرتے کرتے رات ہو جاویگی"

میاں عبداللہ نے کہا تقدیر و تدبیر میں نے ۵۰ روپیہ خرچ کرکے رائے حاصل کی ہے۔ یہ رائے بہت کام آویگی۔ اور یہ پرچہ سیدھی دیویگی دیکھنا تو اس میں کیا لکھا ہے"

میاں عبداللہ کی بیوی نے وہ کاغذ لیکر پڑھا۔ تو اس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے

میاں عبداللہ وہ کام جو آج تم کرسکتے ہو کل پر ہرگز نہ رکھو"

میاں عبداللہ نے کہا نہیں یہ ٹھیک بات ہے ابھی جاؤ۔ اور سارا

بھوسہ اُٹھوا کر احتیاط کے ساتھ بند کر دو۔"

میاں عبداللہ کی اہلیہ نے ہر چند کہا کہ کل دیکھا جاویگا۔ مگر میاں عبداللہ نے ایک نہ سنی اور کہا کہ میں مفت کے روپیہ مفت نہیں ضایع کرونگا۔ اگر مجھے اس رائے پر عمل نہیں کرنا تھا۔ تو اسکو حاصل کرنیکا کیا فائدہ تھا۔ غرض عبداللہ اسیوقت خود اُٹھ کر گیا۔ اور دست بدست تمام بھوسہ اُٹھوا کر اندر رکھوا دیا۔ اب قضاء قدر کا اتفاق دیکھئے کہ اس رات مینہہ اور آندھی کا اس قدر طوفان آیا کہ قرب و جوار کے زمینداروں کا جنکا بھوسہ بھی کھیتوں پر پڑا تھا۔ سینکڑوں روپیہ کا نقصان ہوگیا صرف میاں عبداللہ کا بھوسہ بچا رہا۔ اُس دن سے میاں عبداللہ نے عزم بالجزم کرلیا کہ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے میں کبھی آج کا کام کل پر نہ چھوڑونگا چنانچہ اس رائے کی بدولت تھوڑے سے عرصہ میں ہی وہ لکھپتی ہوگیا۔

پس جناب آج کا کام کبھی کل پر نہ ڈالنا چاہیئے۔"

منظفر۔ "بات تو تم سچ کہتی ہو۔"

حسن آرا۔ "شکر ہے تمہاری سمجھ میں آگئی۔"

منظفر نے اُسیوقت اپنے مینیجر سے کہدیا کہ تمام اخراجات میں تخفیف کردو اور اس مہینہ سے دو سو روپیہ ماہوار بلا ناغہ بنک میں جمع ہُوا کرے۔"

فصل تیسری

تنگی ترشی سب منظور مجھے چھوڑ کے نہ جاؤ

اس گفتگو کو چھ مہینہ گذر گئے۔ منظفر کے مکان فرحت نشان میں بھی انقلاب زمانہ نے اپنا رنگ دکھایا۔ ایک دن منظفر گھوڑے پر سوار ہوکر دریا کے کنارہ گیا

وہاں سے مچھلیوں کے ٹوکرے ملاحظہ کرتا ہوا اُلفریڈ چاپل پر چڑھ گیا جس گھوڑے پر یہ سوار تھا۔ وہ نرا بچھا۔ پانی کو دیکھ کر چمکا اور الٹ ہو گیا۔ ہر چند مظفر نے جو مشہور شہسوار تھا۔ اپنا لنگر متمکن کیا۔ مگر پشت مرکب پر قائم نہ رہ سکا۔ اور گردن کے بل زمین پر آ پڑا۔ اس صدمہ سے اس کے گلے کی ہنسلی ٹوٹ گئی۔ اور جب لوگوں نے دوڑ کر اس کو اٹھایا تو وہ بیہوش تھا۔ فوراً پالکی میں ڈال کر اُسے گھر لے گئے۔ حسن آرا کے قلق و اضطراب کا حال بیان نہیں ہو سکتا جب کہاروں نے پالکی دروازہ پر رکھی تو یہ ننگے سر دروازہ پر دوڑی اور مارے اضطراب کے پردے سے نکلی پڑتی تھی۔ بارے جب پردہ ہوا تو کیا دیکھتی ہے۔ کہ مظفر بالکل بیہوش ہے۔ اُس کے لمبے لمبے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اُس کا رنگ جو گلنار کی طرح سُرخ تھا۔ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا ہے۔ گویا خون کا بدن میں نام نہیں رہا۔ چہرہ پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔ حسن آرا نے جب اپنے سر کے تاج۔ سر کے چتر سر کے والی کا یہ حال دیکھا تو اُس سے رہا نہ گیا۔ اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور بڑے درد کے ساتھ رونے لگی۔

مظفر کے منیجر نے جو پس پردہ موجود تھا۔ کہا کہ اب رونا دھونا موقوف کرو ان کی حالت لحظہ بلحظہ ردی ہوتی جاتی ہے۔ خدا پر توکل کرنا چاہیئے رونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ آپ ان کے پاس سے نہ ہٹیں اور میں ڈاکٹر صاحب کی طرف جاتا ہوں۔

غرض کوئی دس پندرہ منٹ میں ڈاکٹر صاحب آ موجود ہوئے۔ اُنہوں نے فوراً کمپونڈر اور ڈریسر کو ہسپتال سے طلب کیا اور بڑی توجہ کے ساتھ مظفر کے گلے پر پٹی باندھی۔ پھر ایک شیشی سنگھائی۔ جس سے مظفر نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے بعد اُنہوں نے ایک نسخہ لکھا اور کہا کہ یہ دوا ابھی منگوا لو

اور اس کا ایک ایک نشان دو گھنٹے بعد پلا دو یہ مفرح ہے۔ اور اسکا نام اسمولینٹ ڈافٹ ہے۔ غرض ڈاکٹر صاحب ؎۱۶ روپیہ فیس لیکر تشریف لے گئے۔ اور اُن کے جانے کے بعد اُنکے فرمانے کے بموجب ایک خوراک اُس دوا کی پلادی گئی۔ جس سے منظفر کو قدرے ہوش آیا۔ اُس دن سے معمول ہوگیا کہ ڈاکٹر صاحب ہر روز دو وقت آتے تھے۔ اور اپنے ہاتھ سے ڈریس کرتے تھے۔ اور ؎۳۲ روپئے بلا ناغہ فیس لے جاتے تھے۔

خدا کی شان منظفر کی بیماری نے طول کھینچا۔ کوئی دو مہینہ میں ہڈی گلے کی درست ہوئی۔ جب ہڈی درست ہوئی تو بخار آنے لگا۔ اور بخار بھی سخت قسم کا۔ قصہ مختصر کوئی چھ مہینہ بیچارے چارپائی سے نہ اُٹھے۔ اس اثناء میں اُن کے گماشتوں نے میدان خالی پاکر خوب ہاتھ سینکے۔ جو کچھ روپیہ بنک میں جمع تھا وہ صرف ہوگیا۔ بیماری میں خرچ واخراجات کا کچھ ٹھکانا نہیں ہوتا۔ اندھا دھند روپیہ صرف ہوتا تھا۔ کوئی حساب و کتاب دیکھنے والا نہ تھا۔ ساتھ ہی اُس کے غضب یہ ہوا کہ منظفر کے حریف ماہی گیروں کو اپنی تجارت چمکانیکا خوب موقع ملا۔ اور منظفر کے خریداروں نے جب دیکھا کہ اب سودا اچھا نہیں ملتا۔ تو دوسرے دوکانداروں کیطرف رجوع کرلیا۔ اسی طرح پر اُن کی تجارت جو چمکی ہوئی تھی۔ اس چھ مہینہ کی بیماری میں مدہم پڑگئی۔ رفتہ رفتہ دوکان بند ہوگئی اور جو کچھ جمع جتھا تھا ختم ہوگیا۔ جب میاں منظفر کو صحت کلی ہوئی تو سوائے رہنے کے مکان سنگے اور کچھ نہ تھا۔ یہ ہی غیر منقولہ اور انکی منقولہ جائداد تھی اسی میں منظفر رات دن غلطان و پیچاں رہتا تھا۔ وہ اپنی پیاری حسن آرا کو محتاجی کیحالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُسکے بچے بزم آرا اور ناصر جن کی عادتیں اُس نے خود بگاڑ رکھی تھیں جنکو اُس نے بڑے لاڈ پیار اور ناز سے پالا تھا اب تنگدستی میں بات بات پر ضد کرتے تھے۔ اور جب یہ انکی تکلیف دیکھتا تھا

تو اُس کے کلیجہ میں برچھیاں لگتی تھیں۔ اور دل پر چھریاں چل جاتی تھیں۔ ادھر سے بزم آرا دوڑتی ہوئی آتی تھی۔ اور کہتی تھی ابّا ہمیں کھلونے منگوا دو۔ گوڑیاں لے دو۔ ہمیں چوڑیاں بنوا دو۔ دیکھو تو ہمسایہ کی لڑکی کے ہاتھ میں کیسی اچھی چوڑیاں ہیں۔ وہ غریب ہے۔ اور ہم امیر ہیں۔ پھر ہمارے پاس چوڑیاں کیوں نہیں ہیں۔ اُدھر سے ناصر بسورتا ہوا آتا تھا۔ اور کہتا تھا ہماری جماعت کے ایک لڑکے کے پاس تصویروں کی کتاب ہے۔ ابّا ہمیں بھی لیدو۔ ایسی باتیں مظفر کو کاٹے کھاتی تھیں۔ ایک دن مغموم سا ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ناصر روتا ہوا آیا۔ اور کہنے لگا۔ ابّا! ابّا! ہم سے نان بائی کا لڑکا تمسخول کرتا ہے کہتا ہے۔ اب تم غریب ہو گئے ہو۔ اچھا ابّا آؤ۔ اور اس کو مارو یہہ دلخراش فقرہ سُن کر اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور مظفر جیسا سرکش اور تندمزاج آدمی رو پڑا۔ ہاں رو پڑا۔ اس لئے کہ اولاد نے رولایا آخرکار اُس نے دل میں ٹھان لی۔ کہ چاہے کچھ ہی ہو۔ مجھ سے اولاد اور بیوی کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی۔ بہتر یہی ہے کہ سفر کروں اور مالامال ہو کر گھر آؤں۔ ارادہ تو کر لیا۔ ارادہ کیسا عزم بالجزم کر لیا۔ مگر جب اپنی بیوی کا چہرہ دیکھتا تھا۔ جب بچے پیار سے اُس کے گلے میں بائیں ڈال دیتے تھے اور جب یہ خیال آتا تھا۔ کہ میری بیوی دوجی سے بیٹھی ہے۔ تو اُس کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ کہ اُن کو چھوڑ کر چلا جاوے اسی کشمکش و پیچ میں۔ چھ ماہ اور گذر گئے۔ اور حسن آرا کے ایک اور لڑکی پیدا ہوئی جو بیمار اور ظہیر تھی۔ غریبی میں بال بچے بھی وبال جان ہوتے ہیں۔ اسوقت اُس لڑکی کا پیدا ہونا کسی کو اچھا نہ معلوم ہوا۔ مگر ہوا تو حسن آرا کو ہوا ہوگا۔ کیونکہ ماں کی محبت مشہور بات ہے۔ ایک دن مظفر نہایت اوداس بیٹھا ہوا تھا۔ حسن آرا بھی اُس کے پاس آ بیٹھی۔

حسن آرا۔ او میرے پیارے شوہر۔ میں تمہیں ہر وقت غمگین نہیں دیکھ سکتی تم

غمگین رہتے ہو۔ تو میری چھاتی پھٹتی ہے اس غم والم کو دل سے دور کرو۔ غم تمہارے دشمن کریں "

منظفر:۔ نہیں پیاری کوئی غم نہیں مگر "

حسن آرا:۔ دنیا کی دولت بھی کوئی شئے ہے! پیسہ ہاتھ کا میل ہے۔ دولت چاردن کی چاندنی ہے۔ کوشش کرو اللہ پھر دن پھیریگا "

منظفر:۔ مجھے دولت دنیا کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ جب تم پاس ہو تو سب کچھ ہے ؎

تم جو پہلو میں ہو تو پھر مجھے پرواہ کیا ہے
وصل سے بڑھکے کوئی اور تمنا کیا ہے

حسن آرا:۔ اگر یہ بات ہے تو پھر اداس کیوں رہتے ہو "

منظفر:۔ ایک بات ہے جس کے کہنے کو دل نہیں چاہتا۔ مگر افسوس ہے کہ کہے بغیر رہا بھی نہیں جاتا "

حسن آرا:۔ خیر تو ہے۔ ایسی کونسی بات ہے "

منظفر:۔ ہائے کون سے منھ سے کہوں میں خوب جانتا ہوں جسوقت میں نے تم سے کہا اسوقت تمہارا دل ٹوٹ جاویگا "

حسن آرا:۔ خدا خیر کرے میری آنکھ آج صبح سے پھڑکتی ہے "

منظفر:۔ میری پیاری بیوی! مجھے اب نظر آتا ہے۔ کہ تم سے مجھے کچھ عرصہ کے لئے جدا ہونا پڑیگا "

حسن آرا یہ سنکر سُن ہوگئی۔ اور یہ عالم ہوگیا۔ کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں سکتہ کی سی حالت ہوگئی۔ اور کہنے لگی "

حسن آرا:۔ پیارے منظفر اگر دنیا میں کوئی شئے ہے۔ جو تمہاری میری جدائی پر مصر ہے۔ تو خدا کے واسطے بتاؤ۔ تو وہ فرشتۂ موت ہے "

منظفر:۔ میری جان تم کیسی باتیں کرتی ہو۔ خدانخواستہ کوئی ہمیشہ کی جدائی نہیں

ہے۔صرف چند روز کی بات ہے۔ میں سفر کو جاؤنگا۔ اور جب واپس آؤنگا تو تمہارے لئے بہت زیادہ مال جمع کر کے لاؤنگا۔ اور اللہ نے چاہا تو پھر امیر کبیر ہو جاوینگے۔

حسن آرا۔ مجھے یہ گدائی قبول۔ مگر میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دونگی مجھے تمہاری جدائی برداشت نہیں ہو سکتی ہے

مال سے جان سوا جان سے ایمان سوا
مال سے جان سے ایمان سے سوا تم مجھکو

مظفر۔ دل کو قوی رکھو بزدل مت ہو۔

حسن آرا۔ مجھے تمہارے بغیر ایک ایک دن ایک ایک سال کے برابر ہوگا۔ تمہارے بغیر یہ مکان مجھے کاٹنے کو دوڑیگا۔ تمہارے بغیر یہ زندگی مجھے دوبھر ہو جاوئیگی اور تمہارے بغیر میں زندہ درگور ہو جاؤنگی۔ پیارے شوہر میری زندگی تجھ ہی سے ہے ؎

بلبل کی زندگی گل و گلزار دیکھنا
اور میری زندگی تیرا دیدار دیکھنا

مظفر۔ پیاری حسن آرا یہ تنگدستی بہت بری بلا ہے۔ ذرا دل کو ڈھارس دو انشاء اللہ بہت جلد آؤنگا۔ اور اتنی دولت لاؤنگا۔ کہ پھر دن عید اور رات شب برات رہا کریگی۔

حسن آرا۔ میں ایسی دولت پر لعنت بھیجتی ہوں۔ جس کے لئے میرا پیارا مجھ سے جدا ہو وے ؎

اے جان تیرا دیکھنا ہر روز عید ہے
جو روز دیکھتے ہیں انہیں روز عید ہے

مظفر۔ یہ ضد تمہاری فضول ہے کیا تنگدستی مفلسی۔ اور قلاشی کو پسند کرتی ہو۔

حسن آرا:۔ مجھے تنگی ترشی سب کچھ منظور ہے۔ مگر سامنے رہو ؎

ہے یار روز عید شب غم سے کم نہیں

جام شراب دیدہ پر نم سے کم نہیں

مظفر:۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ میں نے دل میں پکا ارادہ کیا ہے۔ اور یہہ سکا غذ دیکھو جہاز کا کرایہ بھی دیدیا ہے ۔۔

حسن آرا:۔ الہی توبہ دریا کا سفر کرو گے ۔۔

مظفر:۔ کیوں کیا ڈر ہے ۔۔ ع

بہ دریا در منافع بیشمار است

حسن آرا:۔ اور دوسرا مصرعہ بھی تو پڑھو ؎

اگر خواہی سلامت بر کنار است

مظفر:۔ اگر مرنا ہے تو بہر صورت مرنا ہے۔ یہاں بھی موت آجائیگی۔ موت کو کون ٹال سکتا ہے۔ تم نے نہیں سنا ؎

تا بہ دکان خانہ در گردی،

ہرگز اے خام آدمی نشوی

حسن آرا:۔ یہ سب کچھ سنا ہے۔ مگر یہ دل گوارا نہیں کرتا کہ تم آنکھوں کے سامنے سے الگ ہو۔ میں تو ہر وقت یہی کہونگی ؎

مرغ جاں کو قفس تن سے رہائی ہوتی

مگر اس جان جہاں سے نہ جدائی ہوتی

مظفر:۔ دلکو مضبوط کرو ۔۔

حسن آرا:۔ بہت کرتی ہوں۔ مگر اندر والا نہیں مانتا جسوقت تم رخصت ہونیکا یا جانیکا نام لیتے ہو۔ تو بے اختیار کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور عجیب عجیب پریشان خیال دل پر گذرتے ہیں ۔۔

مظفر:۔ اب جانے سے میں کس طرح رک سکتا ہوں۔ جہاز کا کرایہ بھی دے

چکا ہوں۔"

حسن آرا: "بلا سے کرایہ کو جانے دو۔"

مظفر: "یہ نہیں ہو سکتا۔"

حسن آرا: "دیکھو میں تمہیں پھر کہتی ہوں۔ پچھتاؤ گے اور مجھے زندہ نہ پاؤ گے اور اخیر میں دست حسرت ملتے رہجاؤ گے۔ مجھ میں فراق کے صدمے اٹھانیکی طاقت نہیں ہے۔"

مظفر: "کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہو۔"

حسن آرا: (رو کر) "گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری۔"

مظفر: "یہ آٹھ دس مہینے بہت جلد گذر جائینگے۔"

حسن آرا: "یا مہینے گذر جائینگے یا ہم جی سے گذر جائینگے۔"

تم جو جاؤ گے تو میں جی سے گذر جاؤنگی

آپ میں اپنا گلا کاٹ کے مر جاؤنگی

مظفر: "بس اب رونا دھونا موقوف کرو۔ آنسو پونچھ ڈالو ابھی میرے جانے میں پندرہ بیس دن باقی ہیں۔ تم نے ابھی سے دل کو غم لگا لیا۔"

حسن آرا: "اگر جاؤ گے تو مجھے ہی کھاؤ گے۔ میرا ہی جنازہ نکالو گے۔"

مظفر: "خیر خیر۔ اسوقت اس بات کو جانے دو۔"

مظفر اپنی بیوی کو روتا ہوا چھوڑکر نیچے آیا اور دلال کو بلا کر اپنے رہنے کا مکان مع پائیں باغ کے بیچ کر دیا۔ اور رجسٹرار کو بلا کر بیعنامہ رجسٹری کرا دیا۔ مکان تین ہزار کو بکا منجملہ اس زرثمن کے ایکہزار کو اُس نے ایک چھوٹا سا مکان خریدا۔ جہاں سے سمندر کا کنارہ نظر آتا تھا۔ اور اتفاق سے یہ مکان منصور کے مکان سے دیوار بدیوار تھا۔ باقی رہا دو ہزار۔ اس روپیہ کی اُس نے اشیاے خوردنی و ضروریات روزمرہ خرید کر ایک دوکان میں جو اس نئے مکان کے تلے تھی، ڈالدیں۔ اور ایک معتبر شخص کو بطور گماشتہ مقرر کرا دیا

جب اُن کاموں سے فراغت ہوئی۔ تو اُس کے جانے میں ایک دن باقی رہ گیا تھا۔"

یہ رات جس کی صبح کو مظفر نے رخصت ہونا تھا۔ حسن آرا نے رونے دھونے میں گذاری۔ خدا کی بندی نے ایک پل بھر بھی تو پلک سے پلک نہ لگائی۔ مظفر نے ہر چند ؎ سے تسلی دی۔ اور ڈھارس بندھایا۔ مگر اُسے کسی صورت چین نہ آیا۔

حسن آرا:۔ سچ ہے مرد کی ذات بڑی بیوفا ہے ؎

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا
موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

مظفر:۔ یہ سب مصیبت تمہارے ہی دم کی خاطر جھیل رہا ہوں۔"

حسن آرا:۔ واہ! کیا تھا؟ اگر نہ جاتے۔ کرایہ کی کیا بات تھی؟ جہاں اتنے روپے ضائع ہوئے تھے یہ بھی سہی۔"

مظفر:۔ تم تو بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔"

حسن آرا:۔ میں جو کہتی ہوں کہ مجھے یہ تنگی ترشی سب کچھ منظور ہے پھر تم مجھے کیوں چھوڑے جاتے ہو۔"

مظفر:۔ تمہارے دشمن مجھ سے چھوٹیں۔ میں تو چند روز کے لئے جا رہا ہوں اور ابھی آیا۔"

حسن آرا:۔ مظفر! تم بڑے دانا ہو۔ میں جانتی ہوں۔ کہ تم بڑے صاحب عقل ہو مگر میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ اسوقت میرے دل میں خود بخود بخار اُٹھ رہے ہیں بے اختیار دل چاہتا ہے کہ دل کھول کے روؤں میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔ کہ کوئی خفیہ طاقت میرے کان میں کہہ رہی ہے۔ کہ اے حسن آرا تو اپنے شوہر کا آخری دیدار کر لے۔ پھر تجھے یہ چاند سا چہرہ کبھی نظر نہیں آویگا۔"

مظفر:- میں تجھ سے از روئے حلف کہتا ہوں کہ میرے دل میں یقین واثق ہے کہ میں ضرور تیرا چہرہ دیکھونگا۔ مجھے بھی کوئی طاقت یہی کہہ رہی ہے کہ تو اپنی پیاری بیوی کو ضرور واپس آکر دیکھیگا۔ بس میں تمہیں دعوے کے ساتھ یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں ضرور آکر دیکھونگا۔

حسن آرا:- اچھا اپنی مرضی کے مالک ہو۔

اتنے میں رات گذر گئی۔ تڑکا ہو گیا۔ مظفر خوش خوش اٹھا۔ اور اپنی بیوی سے بغلگیر ہوا۔ حسن آرا نے رو کر اپنے بچوں کو جگایا کہ باپ سے مل لیں۔

حسن آرا:- بزم آرا اٹھ تیرا باپ جاتا ہے۔ اٹھ بیٹی اپنے باپ سے مل لے۔ ناصر! میری جان اپنے باپ سے مل لے۔

دونو معصوم آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔

بزم آرا:- ابا جان ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔

ناصر:- اوں اوں میں تو ضرور ساتھ چلونگا۔

مظفر:- نہیں بیٹا شوخی نہیں کیا کرتے ہیں۔ تمہارے لئے بہت اچھے اچھے کھلونے گڑیاں اور کپڑے لاؤنگا۔

بزم آرا:- ابا ہمارے لئے ایک پاندان لانا۔

ناصر:- اور میرے لئے تصویروں کی کتاب۔

بزم آرا:- اور میری گڑیا کے لئے ایک کھٹولی اور ایک پالکی بھی ضرور لانا۔

ناصر:- اوں تیرے لئے دو چیزیں۔ ابا ہمارے لئے بھی ہاتھی اور گھوڑے مٹی کے لانا۔ اور لکڑی کے کھلونے بھی بہت سارے۔

مظفر:- اچھا بیٹا بہت چیزیں لاؤنگا۔

اس کے بعد مظفر نے پہلے اپنی بیوی کو گلے لگایا۔ اور دونوں دیر تک روتے رہے۔ پھر بزم آرا اور ناصر کو پیار کیا۔ بچے معصوم تھے۔ ماں باپ کو روتا دیکھکر سہم گئے۔ مظفر نے ہر چند اپنی اہلیہ کی تسلی کی۔ مگر اسکے آنسو بند نہ ہونے تھے نہ ہوئے۔

مظفر: "تم بھی کوئی فرمایش کرو۔ تمہارے لئے کیا لاؤں"

حسن آرا: (ٹھنڈی سانس بھرکر) میری فرمایش یہ ہے کہ میرے لئے اپنے آپکو جلدی لیکر آؤ"

مظفر: "خاطر جمع رکھو بہت جلدی آؤنگا"

حسن آرا: "اللہ ہی ہے جو ملائے مجھے طرح طرح کے خواب پریشان نظر آتے ہیں حضرت عباس کی قسم میرا دل دہلتا ہے"

مظفر: "یہ سب تمہارے خوف واہی ہیں۔ تم جو کنتی ہو کہ تمہیں کوئی طاقت کہہ رہی ہے۔ کہ میرا چہرہ پھر نہیں دیکھو گی۔ تو میں تمہیں ایک تجویز بتاتا ہوں جس سے تمہارا خیال خام ثابت ہو جاویگا۔ تمہارے گھر کی مہتابی سے سمند کا کنارہ نظر آتا ہے۔ ہمارا جہاز بندرگاہ سے لنگر اٹھاکر اسی طرف سے ہوکر گذریگا۔ تم سامنے کی دوکان سے ایک دُوربین منگاکر رکھو۔ میں جہاز کے تختہ پر کھڑا ہوکر رومال ہلاؤنگا۔ اور تم جھٹ میرا منھ اُس دوربین سے دیکھ لینا"

حسن آرا: "اچھا ایسا ہی ہوگا۔ جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا۔ جس طرح پیٹھ دکھائے جاتے ہو۔ اسی طرح منھ بھی دکھانا"

حسن آرا نے چاہا کہ گود کی لڑکی کو بھی جگائے۔ مگر مظفر نے منع کیا۔ اور کہا اسے بے آرام مت کرو۔ اسے کیا معلوم کہ یہ میرا باپ ہے۔ مظفر نے سوتی ہوئی ننھی کو پیار کیا۔ اور اپنا بیگ اٹھا لیا حسن آرا نے اپنے ہاتھ سے ایک سیا ہُوا بٹوا اپنے شوہر کو دیا اور کہا یہ میری نشانی ہے۔ مظفر نے وہ بٹوا لے لیا۔ دوبارہ حسن آرا سے بغلگیر ہُوا۔ دوبارہ بزم آرا اور ناصر کو پیار کیا۔ اور خوشی خوشی رخصت ہُوا۔

تمہارا اور میرا خدا اور رسول ضامن ہے

مظفر کو رخصت ہوئے ہفتہ ہوگیا۔ اور وہ دن آیا جس دن کا اُس نے پتہ دیا تھا۔ کہ فلاں تاریخ ہمارا جہاز تمہارے مکان سے ہو کے گذرے گا حُسن آرا نے شوہر کے ارشاد کے بموجب سامنے کی دوکان سے دوربین کرایہ پر منگوائی اور مہتابی پر اپنے دو نوں بچوں کو لیکر چڑھ گئی۔ آخر کار وہ وقت آیا کہ جہاز کے بادبان نظر آئے جسن آرا نے جھٹ دُوربین آنکھوں پر لگائی۔ اِدھر مظفر نے جہاز کے تختے پر کھڑا ہو کر رومال ہلایا۔ مگر شان خدا یا تو دُوربین خراب تھی۔ یا حُسن آرا کو ٹھیک لگانی نہ آئی۔ وہ وقت گذر گیا۔ اور سوائے جہاز کے حسن آرا کو اور کچھ نظر نہ آیا۔ رفتہ رفتہ جہاز بھی نظر سے غایب ہوگیا۔ اور حسن آرا روتی ہوئی مہتابی سے نیچے اُتری۔ جب شام ہوئی تو بچے گرد ہوگئے "

بزم آرا۔ "اماں جان تم تو کہتی تھیں آج ابا جان کو دیکھینگے "

ناصر۔ "اوں اوں ابا کے پاس جاؤنگا "

بزم آرا۔ "اماں ابا کب آئینگے "

ناصر۔ "کل آجائینگے ہمارے واسطے بہت سے کھلونے لیکے آئینگے ہم کسی کو نہیں دینگے "

بزم آرا۔ "ہم تصویروں والی کتاب کے ساتھ کھیلیں گے "

حسن آرا: "اب شام ہوئی سو رہو۔"

بزم آرا: "اماں جان ابا آج بھی نہیں آئینگے؟"

ناصر: "کبھی نہیں آئینگے۔"

حسن آرا: "چپ رہ۔ دفع ہو کیا بدشگنی بدشگونی کرتا ہے۔ سوتا ہے کہ بلاؤں نانی بیچاں کو۔"

ناصر: "ہم اپنے ابا کے ساتھ سوئینگے۔"

حسن آرا: "تیرے ابا تیرے واسطے کھلونے لینے گئے ہیں۔"

ناصر: "تم تو جھوٹ کہتی ہو۔"

حسن آرا: "نہیں بیٹا کل آجاوینگے اب سو رہو۔"

خدا کی شان جب مصیبت آتی ہے تو تنہا نہیں آتی۔ حسن آرا کی گود کی لڑکی پہلے سے ہی بیمار تھی۔ اب اُس کی حالت مظفر کے جانیکے بعد دن بدن ردی ہوتی گئی۔ نوبت یہانتک پہنچی کہ اُس نے دودھ پینا چھوڑ دیا۔ آخر گھل گھل کر مرگئی۔ اُسوقت حسن آرا کو خاوند یاد آیا۔ بہت روئی پیٹی اُس وقت اسکا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ ننھے ننھے بچوں کا ساتھ تھا۔ جس شخص کو مظفر گماشتہ مقرر کر گیا تھا۔ وہ ایک ہی کائیاں نکلا۔ اُس نے سب مال تینے پونے پر بیچ ڈالا۔ اور دوکان میں نصفا نصفی گھاٹا پڑا۔ گماشتہ میاں بھی ہاتھ رنگ کر چلتے بنے۔ اور دوکان بند ہوگئی۔ حسن آرا بیچاری نان شبینہ کو محتاج ہوگئی۔ جسوقت لڑکی مری اُس وقت خاوند کو گئے آٹھ مہینے ہوئے تھے اس عرصہ میں گھر کا سب اثاثہ بک گیا تھا۔ اس تنگ حالت میں ہمسایہ منصور کام آیا۔ منصور بڑا نیک نیت اور باسلیقہ شخص تھا۔ اُس نے رفتہ رفتہ بچوں کی خبر لینے آنا شروع کیا۔ اور جس روز لڑکی فوت ہوئی اُس کی تجہیز و تکفین بھی اُس نے اپنے خرچ سے کی۔ جب منصور نے بچوں کو پیار کرنا شروع کیا۔ تو بچے بھی اُس سے ہل مل گئے۔ اور دن رات اُسکے گھر اس میں ہی

کھیلا کرتے اور اُسکو چچا چچا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ منصور کے دل میں وہ شعلہ پرانی آگ کا ابھی تک روشن تھا۔ یا یوں کہو کہ حسن آرا کی محبت اُس کے دل میں مثل ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کے باقی تھی جس کی بتی بچوں نے اکسا دی اور مظفر کے جانے نے اُس میں تیل ڈال دیا تھا۔ اس لئے جب وہ حسن آرا کے گھر اتفاق سے آتا تو کہتا۔ حسن آرا! تم میری بھابی ہو مظفر میرا بچپن کا رفیق تھا۔ اُس کی غیبت میں میرا فرض ہے کہ اُس کے بچوں کا نگراں حال رہوں جو کچھ میرا خرچ ہوتا ہے۔ اول تو تمہارا ہی ہے۔ اور اگر تمہیں یوں منظور نہ ہو۔ تو جسوقت میاں مظفر آوینگے۔ ان سے کل حساب کرکے وصول کرلونگا منصور جانتا تھا کہ حسن آرا بلا کی نازک مزاج ہے۔ اس لئے جب کبھی وہ آتا یا میوہ بھیجتا تو کہلا بھیجتا کہ آج کا میوہ بہت تحفہ ہے۔ اس لئے نہ ہوگا کہ میں تو کھاؤں اور میرے بھتیجے نہ کھائیں"

مظفر کو گئے دو سال ہو گئے۔ اور کوئی خبر نہ آئی۔ نہ کوئی خط نہ کوئی پرچہ نہ کوئی پیغام نہ سلام۔ حسن آرا حیران پریشان تھی کہ الہی یہ کیا ہوا۔ ایک دن اپنی قسمت پر بیٹھی رو رہی تھی۔ کہ منصور اُس کے مکان پر آیا۔ اور دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ منصور نے زنجیر ہلائی۔ تو اندر سے بزم آرا نے پوچھا کہ کون ہے۔ منصور نے کہا بیٹی بزم آرا میں ہوں۔ منصور کی آواز بزم آرا سُن کر ماں کے پاس دوڑی ہوئی گئی۔ اور کہنے لگی۔ اماں جان چچا جان آئے۔

حسن آرا نے دوپٹہ سنبھال کر کہا بلا لے بیٹی"

بزم آرا "چچا جان اوپر آجاؤ"

منصور "آیا بیٹی آیا"

بزم آرا دوڑ کر منصور کی گود میں جا بیٹھی۔ دوسری طرف سے ناصر دوڑتے ہوئے آئے اور کنٹھ پکڑ کر سے ہاتھوں سے منصور کو لپٹ گئے۔ بچوں کی طبیعت

ایک جنگلی طوطے کی طرح ہوتی ہے جس نے پیار کیا اُسی سے ہل مل گئے۔

حسن آرا: "ہیں ناصر تو بڑا شوخ ہوگیا ہے"

منصور: "بچہ ہے کھیلنے دو کچھ مت کہو"

حسن آرا: "کیا کہوں یہ بچے بہت شوخ ہوگئے ہیں"

منصور: "یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ آپ ہی بڑے ہو کر سنبھل جائینگے مگر بھابی حسن آرا میں تم سے ایک عنایت چاہتا ہوں"

حسن آرا: "بھائی منصور ایک تو میں خود دکھیا اپنے غموں کی ماری ہوں دوسرے تمہاری مہربانیاں مجھے مارے ڈالتی ہیں ؎

ہمیشہ کنج تنہائی میں ہم مونس سمجھتے ہیں
الم کو یاس کو حسرت کو بیتابی کو حرماں کو

میں مصیبت زدہ اس لائق کہاں ہوں۔ کہ کسی پر کوئی مہربانی کروں یا کسی کو فیض پہنچاؤں ؎

سناؤں اپنی کسے کہانی جدا ہے مدت سے یار جانی
یہ مجھ سے کٹتی ہے زندگانی عبث جہاں خراب میں ہے

منصور: "بھابی میں تم سے وہ چاہتا ہوں۔ جو تمہارا عزیز شوہر چاہتا تھا جس کی خاطر اُس نے یہ دور دراز سفر اختیار کیا۔ بھابی تمکو یاد ہے۔ کہ میں اور مظفر دونو تمہاری خاطر لڑا کرتے تھے۔ ہم دونو نے پیغام شادی کا تمہیں بھیجا تھا۔ اور ہم دونو میں سے جو اچھا تھا تم نے اُسی کو منظور کیا۔ اور تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ مظفر نے بیجا سفر کی مصیبت جو نمونہ سقر ہے۔ اٹھانے نہیں گیا۔ بلکہ اُس کا دلی منشا یہ تھا کہ کسی طرح روپیہ آوے۔ تاکہ اُس کے بال بچے خراب خستہ آوارہ اور سرگرداں نہ ہوں۔ پھر اُسے خیال ہے جب وہ اس قدر مدت مدید کے بعد عیش و آرام کنوا تا ہو۔ اور مصیبتیں جھیلتا ہوا۔ واپس گھر آویگا۔ اور دیکھیگا کہ اس کے بچوں کے دن پڑھنے لکھنے کے گزر گئے تو اُس کے دل پر کس قدر صدمہ ہوگا۔

پس آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔کہ آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں ناصر کو ضروری کتابیں لے دوں۔اور سکول میں داخل کردوں اور ایک استانی بزم آرا کے لئے مقرر کردوں۔جو اُسے سینا۔پرونا۔کاڑھنا۔بننا اور لکھنا پڑھنا سکھا دے ؛

حُسن آرا ؛ منصور تیرا احسان اس قدر بھاری ہے۔کہ مجھ عاجزہ کی گردن اُس کو اُٹھا نہیں سکتی۔لاکھوں احسان تیرے میرے سر پر ہیں۔کہاں تک اُن کا ذکر کردں۔اگر میرا رونگٹا رونگٹا زبان ہو جائے۔تو بھی بیان نہیں کر سکتی۔کیوں اپنا روپیہ ضایع کرتا ہے۔مجھ دکھیا کو میرے حال پر ہی رہنے دے ؛

منصور ؛ حُسن آرا۔کیوں بچوں کا وقت ضایع کرتی ہے۔جب منظر آدیگا تو وہ مجھے یہ روپیہ ادا کر دیگا ؛

حُسن آرا ؛ روپیہ ادا ہو سکتا ہے۔مگر جو مہربانیاں تو نے کی ہیں اُن کی تلافی کسی صورت نہیں ہو سکتی ؛

منصور ؛ میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔بلکہ یہ تمہارا احسان ہے۔اگر میری عرض قبول کرو ؛

حُسن آرا ؛ اچھا اب تم ہی اُن کے باپ کی جگہ ہو۔تم مختار ہو۔جو چاہو کرو ؛

اس فقرے سے منصور بہت خوش ہوا دوسرے دن اُس نے ناصر کو ضروری کتابیں بمع قلمدان کاغذ سلیٹ وغیرہ اشیاء خرید دیں اور خود ساتھ جا کر مدرسہ میں داخل کرآیا۔اور اُسی محلہ میں ایک بڑی پرہیزگار استانی رہتی تھی۔اُسے بزم آرا کی تربیت کے لئے مقرر کر دیا۔کہ دو وقت جا کر پڑھا آیا کرے اُس وقت تک منصور نے کبھی حسن آرا کی طرف نظر بد سے نہیں دیکھا۔وہ ہر وقت اُسے بھابی کہہ کر پکارتا تھا۔اور کبھی تیسرے چوتھے مہینے اُس کے

گھر جاتا تھا۔ کیونکہ وہ ڈرتا تھا۔ کہ مبادا لوگ مفت میں بدنام نہ کریں۔ البتہ عمدہ سے عمدہ آٹا اور اپنے باغ سے انگور۔ سیب اور مرغیاں وغیرہ حسن آرا کے گھر برابر بھیجتا رہتا تھا۔

مظفر کو گئے سات سال ہو گئے اور کوئی خط پتر نہ آیا۔ اس بات سے حسن آرا کے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہونے لگے۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ خیال جو آیا تو دیوان حافظ اٹھا لائی۔ اور شاخ نبات کی قسم دیکر فال کیلئے کھولا ساتواں شعر یہ نکلا ہے

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

یہ شعر پڑھکر حسن آرا کو بڑی تسلی ہوئی۔ مگر یہ تسلی عارضی تھی۔ کیونکہ مظفر کو گئے دس سال گذر گئے۔ اور کچھ پتہ نہ ملا۔ کہاں گیا۔ جیتا ہے یا مر گیا۔ بزم آرا کو اپنا ابا خواب کیطرح یاد تھا۔ اور ناصر تو بالکل بھول گیا تھا۔ ناصر کے لئے باپ بھی منصور تھا۔ چچا بھی منصور تھا۔ وہ ہی اُس کی ضروریات کو رفع کرتا تھا۔ اور وہی اس کی پرورش کرتا تھا۔

ایک دن اس بستی میں بڑی دُھوم دھام سے میلا ہُوا۔ دور سے لوگ اس میلے کو دیکھنے آئے۔ ناصر بھی سکول سے رخصت لیکر منصور کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا چچا جان ہمکو بھی میلے لے چلو۔ منصور ان بچوں کو اولاد سمجھتا تھا۔ کیونکہ ابھی تک اُس نے شادی نہیں کی تھی۔ اور اسکا رشتہ دار بھی سوائے ایک ماموں کے اور کوئی نہ تھا۔ وہ ان بچوں کو دیکھکر باغ باغ ہو جاتا تھا۔ اور وہ اُن کی ضروریات کو اسطرح پورا کرتا تھا۔ کہ شاید مظفر ہوتا تو وہ بھی اتنا نہ کرتا۔

منصور نے اُسی وقت سائیس کو کہا کہ فٹن تیار کر کے لاؤ۔ جسوقت گاڑی آگئی تو ناصر سے کہا بیٹا تم جاؤ میلا دیکھ آؤ۔ مجھے ضروری کام ہے۔ اور دس روپیہ خرچ کیلئے ناصر کے ہاتھ میں دئے۔ اور کہا بہن کیلئے بھی اچھی اچھی چیزیں خرید کر

لے آنا۔"

جب شام ہونیکو ہوئی تو اپنا کاروبار بند کر کے منصور خراماں خراماں حسن آرا کے مکان کیطرف گیا۔ اور حسب معمول اطلاع کر کے اندر گیا۔"

حسن آرا۔ "وبسم اللہ مدت کے بعد آنا ہوا۔"

منصور۔ "یہ خیریت تھی آج میں بھی تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں وہ یہ بات ہے جو میرے سینے میں گرم پانی کیطرح کھول رہی ہے۔ اے حسن آرا اس بات کو میں نے صندوق سینہ میں چودہ سال سے چھپایا ہے حسن آرا تم دانا ہو مطلب میرا ضرور سمجھ گئی ہو گی۔ کیونکہ کہتے ہیں عورتیں جھٹ رمز سمجھ جاتی ہیں حسن آرا۔ کیسے باور ہو گا۔ کہ وہ منظر جس کی گیارہ سال سے کچھ خبر نہیں ابھی تک زندہ ہو۔ اگر زندہ ہوتا تو اس عرصہ دراز میں اس کی کوئی نہ کوئی خبر آتی۔ بارھواں سال شروع ہے گیارہ سال پورے ہوئے۔ اتنا عرصہ بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ پس اب میری امید بر لاؤ۔ اور مجھ سے نکاح کر لو۔"

برآوردن کار امیدوار

بہ از قید بندی شکستن ہزار

میں جب تک تم سے نکاح نہ کر لوں تب تک علانیہ تمہارے گھر میں آ جا نہیں سکتا۔ تمہارے بچوں کی خاطر خواہ خدمت نہیں کر سکتا۔ اگر بغیر نکاح تمہارے بچوں کو اپنے ساتھ لئے پھروں تو مجھے ڈر ہے تمہاری عزت میں تمہاری عفت اور عصمت میں بد نامی کا داغ لگ جائیگا اور یہ مجھے ہرگز منظور نہیں۔ چاہے میری جان چلی جاوے۔ مگر تمہاری نیک نامی میں فرق نہ آوے۔"

تمہیں خوب معلوم ہے۔ کہ میرا سوائے اللہ کے کوئی نہیں اور خدا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ بیوی میری نہیں بچے میرے نہیں۔ تمہارے بچے مجھے اپنا والد سمجھتے ہیں۔ پھر کیوں نہیں تم مجھے ان کا والد علانیہ بنا لیتیں۔"

حسن آرا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔ تمہارا تصور دن رات مجھے رہتا ہے۔ تمہاری زندگی سے میری زندگی ہے۔ میں تمہارا اسوقت سے شیدا ہوں۔ کہ جب تم اور ہم مل کر دریا کے کنارے کھیلا کرتے تھے۔ اب میرے دل کو ٹھنڈا کر دو۔ خدا تمہارے دل کو ٹھنڈا کرے گا ‘‘

حسن آرا ’’ اے منصور خدا تجھ پر رحمت کرے۔ اور تیرا اس سے بھی زیادہ اقبال کرے۔ اور تجھے مجھ سے بھی بہتر شئے عنایت کرے۔ میں تیرے لائق نہیں ہوں۔ تو ہمارے لئے فرشتہ رحمت کا تھا۔ تو دُرشہوار ہے تو میں تیرے مقابلہ میں پوت ہوں۔ تو آفتاب عالم تاب ہے تو میں ایک ذرہ بیمقدار ہوں ‘‘

منصور ’’ تم چاہے اپنے آپکو کچھ سمجھو۔ مگر میری زندگی تمہیں سے ہے ‘‘

حسن آرا ’’ میرا ایک دل تھا۔ وہ میں نے مظفر کی نذر کر دیا ؎

ہم معتقد دعوے باطل نہیں ہوتے
سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

منصور ’’ مجھے کچھ محبت نہیں چاہیئے۔ مجھے تو حسن آرا چاہیئے ‘‘

حسن آرا ’’ اگر مظفر آگیا۔ تو پھر کیا ہوگا۔ لیکن مظفر اب کہاں سے آویگا ‘‘

منصور ’’ مظفر کو آنا ہوتا۔ تو بارہ برس میں نہ آتا ‘‘

حسن آرا ’’ اچھا منصور مجھے ایک سال کی مہلت دو۔ اگر ایک سال میں مظفر آگیا۔ تو خیر۔ ورنہ میں تمہاری ہو چکی ‘‘

منصور ’’ اچھا جہاں میں نے اتنے سال انتظار کی ہے۔ ایک سال اور بھی سہی ‘‘

حسن آرا ’’ میرا اور تمہارا خدا اور رسول اللہ حافظ ہے۔ اگر اس سال میں مظفر نہ آیا

تو میں تمہاری ہو چکی "
منصور " دو قول "
حسن آرا " یہ لو قول "
قول لیکر منصور رخصت ہوا۔ اور حسن آرا بدماغ ہو کر چارپائی پر لیٹ گئی جو آ
میں کیا دیکھتی ہے۔ کہ ایک پہاڑ پر مظفر بیٹھا ہوا گا رہا ہے۔ اور پہاڑ طرح طرح کے
چشموں اور اشجار سے اسوقت رشک فردوس بریں ہو رہا ہے جسپر طرح طرح کے
طیور بولیاں بول رہے ہیں۔ اور حمد پروردگار میں نغمہ سرائی کر رہے ہیں "
خواب دیکھتے ہی حسن آرا چونک پڑی۔ اور اب اُسے یقین واثق ہو گیا۔ کہ مظفر کو
میں نے جنت میں دیکھا ہے۔ اور وہ ضرور مر گیا ہے "
رفتہ رفتہ اس بستی کے باشندوں میں حسن آرا۔ اور منصور کے معاملہ میں
عجیب گفتگو ہونے لگی۔ لوگوں کا منہ کون بند کر سکتا ہے۔ ایکدن ایک جگہ یہ
گفتگو ہو رہی تھی جو ناصر نے سنی اور والدہ کو آ سنائی۔
۱۔ حسن آرا بڑی چالاک عورت ہے۔ ایسا غریب منصور کو ہتھے پر چڑھایا
ہے کہ دیوانہ بنا پھرتا ہے "
۲۔ منصور بھی نرا گاؤدی اور گھامڑ ہے "
۳۔ نہیں میاں کچھ دال میں کالا کالا ہے "
۴۔ بھئی حسن آرا بدکار تو نہیں معلوم ہوتی۔ آگے خدا کی بات خدا
ہی جانے "
۵۔ تمہیں کیا خبر ہے "
۶۔ ہمیں سب کچھ خبر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اُس کاٹھ کے اُلو کو چکمہ
دے رہی ہے۔ اور اپنا مطلب نکالے جاتی ہے "
بزم آرا۔ بھی اب اللہ رکھے سیانی ہو گئی تھی۔ اُس نے بھی ماں کو یہی
صلاح دی کہ منصور جیسا فرشتہ خصلت نہ دنیا میں پیدا ہوا ہے۔ نہ ہو گا۔

اُس سے ضرور شادی کرلو۔ اور اپنے آپکو بدنامی سے بچاؤ۔ بہ خواہ مخواہ کی بدنامی اچھی نہیں "

الغرض ایک سال فوراً گذر گیا۔ برس کو جاتے کیا دیر لگتی ہے۔ ادھر آنکھ بند کی اُدھر سال آیا ؎

گذرتی عمر ہے یوں دورِ آسمانی میں
کہ جیسے جائے کوئی کشتی دخانی میں

ادھر برس گذرا اُدھر میاں منصور آموجود ہوئے حسن آرا نے کہا میں تمہیں قول دے چکی ہوں مجھے کیا عذر ہے۔ چنانچہ اُسی وقت قاضی جی آئے اور نکاح ہوگیا۔ جس روز منصور کا نکاح حسن آرا سے ہوا اُسی دن منصور کا ماموں قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا۔ اُسکی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ قریباً پچاس ساٹھ ہزار کی تھی۔ وہ منصور کے ہاتھ آئی۔ منصور نے وہی مکان جو مظفر نے جاتے وقت بیچا تھا۔ پھر چار ہزار روپیہ دیکر خرید لیا۔ اور بمع عیال و اطفال اُس میں جا رہا اور اپنی زندگی عیش و عشرت کے ساتھ گذارنے لگا "

اگرچہ شادی ہوئے ایکسال کے قریب ہوگیا۔ اور منصور خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا تھا۔ لیکن حسن آرا کے دل کا کنول ہمیشہ بند ہی رہتا تھا۔ گھنٹوں گھبرائی ہوئی پڑی رہتی تھی بیٹھی بیٹھی کانپ اُٹھتی تھی کبھی اسکے دل میں آتا تھا۔ کہ میرے پیچھے پیچھے کوئی چلا آتا ہے۔ مگر جب پیچھا پھیر کر دیکھتی تھی۔ تو کچھ نظر نہیں آتا تھا کبھی اُسے کسی کے قدموں کی آہٹ معلوم ہوتی مگر دراصل کوئی انسان وہاں نہیں ہوتا تھا۔ کبھی اسے یہ خیال ہوتا تھا۔ کہ میرے کان میں کوئی شخص سرگوشی کر رہا ہے۔ لیکن وہ شخص اسے نظر نہیں آتا تھا۔ وہ کبھی تنہا رہنا پسند نہیں کرتی تھی۔ اسے تنہا چھوڑ دو تو ڈر جاتی تھی۔ اگر کبھی صندوق یا زیور کی صندوقچی کھولتی تھی۔ تو صندوقچی باوجودیکہ کھلی ہوئی ہوتی تھی مگر یہ کنجی پھیرے جاتی تھی اور اسی سوچ میں ڈوبی رہتی تھی۔ کہ اُسے خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ کہ صندوقچی کھلی ہے۔

پابند پڑی ہے۔

منصور جانتا تھا کہ وہ بدبختی سے ہے۔ اور اکثر ایسی حالت میں عورتوں کو یہ مرض وہم کا ہو جایا کرتا تھا۔ اس لیئے وہ اس بات سے متوہم نہ ہوا۔ اور واقعی منصور کا خیال درست تھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب خدا کی مہربانی سے حسن آرا کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو حسن آرا کی طبیعت بتدریج اصلاح پکڑتی گئی اور تمام پریشانیاں رفع ہوگئیں۔ اور منصور کی محبت اُس کے دل میں ایسی جا گزیں ہوئی کہ مظفر کا خیال تک نہ رہا۔ ایسا بھولی کہ گویا کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ اور اگر مظفر پر ایک جان سے عاشق تھی تو منصور پر سو جان سے فدا ہو گئی۔

اللہ کی شان حسن آرا کی زبان پوری ہوئی جیسا اُس نے بچپن میں کہا تھا۔ وہی ہوا۔ مظفر و منصور دونوں سے شادی ہوئی۔

ہم تو جینے سے بیزار ہیں مرنے پر تیار ہیں

اب مظفر کا حال سنئے کہ اُس پر کیا گذری۔ مظفر خوش خوش گھر سے رخصت ہو کر جہاز پر گیا۔ اُس کے دل میں ذرا بھی خوف نہ تھا۔ بس اس خیال میں تھا کہ صرف جانیکی دیر ہے آگے خزانہ کا دروازہ کھلا ہے۔ علی بابا کو سم سم کی غار پر اتنا بھروسہ نہ تھا۔ جتنا مظفر کو اس سفر کی کامیابی پر۔ النسچر اور شیخ چلی کی طرح منصوبے پکاتا تھا۔ اور آپ ہی آپ خوش ہوتا تھا۔

ایک دن ساعت سعید اور ہوا موافق دیکھکر کپتان نے لنگر اٹھایا اور جہاز روانہ ہوا۔ جہاز ٹھیک اُسی دن جس دن کا نشان مظفر نے حسن آرا کو دیا تھا حُسن آرا کے مکان کے نیچے سے گذرا۔ مظفر نے فوراً تختہ پر آکر رومال ہلایا۔ مگر بدقسمتی سے حسن آرا کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مظفر کا چہرہ پر نظر نہ آسکا اور حسن آرا کی پیشین گوئی کہ مظفر مجھے امید نہیں کہ میں پھر تیرا چہرہ دیکھوں پوری ہو گئی۔

غرض جہاز مع الخیر چین میں جا پہنچا۔ ملک چین میں مظفر نے اچھے اچھے کھلونے اور چائے وغیرہ خریدی اور وہاں سے دمشق حلب سمرقند موصل بغداد وغیرہ میں ہوتے ہوئے اور ایک ملک کا اسباب دوسرے ملک میں فروخت کرتے ہوئے ملک عرب میں جا نکلے عرب میں مظفر کو گھوڑوں کی تجارت میں فائدہ ہوا۔ اور اتنی اشرفی استقدر کما یا جو اُسکو تمام عمر آرام آسائش سے زندگانی بسر کرنیکے لئے کافی تھا۔ پیاری حسن آرا کیلئے اسنے عمدہ عمدہ کھلونے اور پیارے نامر کیلئے عمدہ عمدہ تصویریں اور کتابیں خریدیں آخر سب طرح سے فائز المرام ہو کر جہاز کے کپتان نے گھر کا رخ کیا۔ مظفر ایک ایک دن گن گن کر گذارتا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ الٰہی وہ کون سا وقت ہوگا کہ میں اپنی پیاری بیوی سے ملونگا کیا جس وقت میں گھر جاؤنگا میرے بچے مجھے دیکھکر خوش ہو جاوینگے۔ اور دوڑ کر میری چھاتی سے لگ جاوینگے؟ انکو تو چاند چڑھ جائیگا۔ اب میں کبھی اُن کو چھوڑ کر سفر نہیں نہیں کرونگا۔ اب میں تمام عمر گھر میں ہی رہونگا۔ ایسے خیال ہر وقت مظفر کے دل میں آتے رہتے تھے۔ ایک دن مظفر اپنی کوٹھڑی میں لیٹا ہوا کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کہ یکایک شور و غل کی آواز اس کے کان میں آئی حیران ہوا۔ کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ آخر جب لحظہ بلحظہ اس شور و غل کی آواز زیادہ ہوتی گئی تو اُس سے رہا نہ گیا۔ فوراً کتاب کو سرہانے رکھکر کوٹھڑی سے باہر آیا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ ملاحوں کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں سب کھلبلی

پڑی ہوئی ہے۔ ملاح خلاصی۔ ناخدا سب کے سب دوڑتے پھرتے ہیں کوئی مستول پر چڑھ رہا ہے۔ کوئی رسیاں کھینچ رہا ہے۔ کوئی بادبان لگا رہا ہے اور سب کے چہروں سے پریشانی کے آثار نمایاں ہیں جہازی خوف کے مارے ہکّا بکّا ہو رہے ہیں۔ مظفر نے ایک جہازی سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اس نے آسمان کیطرف اشارہ کیا۔ اور منہ سے کچھ جواب نہ دیا مظفر نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو عجیب تماشہ نظر آیا۔ کہ مغرب کیجانب سے کالی گھٹا اٹھی ہے۔ اور طوفان کی آمد آمد ہے۔ یہ خیال دیکھکر مظفر کے بھی ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے حواس غائب ہو گئے۔ کہ الٰہی یہ کیا قہر ٹوٹا یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہوا۔ اسوقت اسکے دل میں آیا۔ کہ خدانخواستہ اگر جہاز کو کوئی صدمہ پہنچا۔ تو پھر یہ دولت کس کام آویگی اور ساتھ ہی حسن آرا کی نصیحت یاد آئی کہ ؎

به دریا در منافع بے شمار است
اگر خواہی سلامت بر کنار است

مگر یہ خیالات شنے بعد از جنگ تھے اب کیا ہوتا تھا۔ اب پچھتانا فضول تھا اب وقت ہاتھ سے جاتا رہا تھا۔ وہی مثل تھی "اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیا چگ گئی کھیت"۔ اسوقت مظفر کے دل کا عجیب حال تھا۔ اسوقت اگر کوئی کہتا کہ اے مظفر تو مجھے اپنی ساری کمائی دیدے میں تجھے ساحل عافیت پر پہنچا دیتا ہوں تو یہ ہرگز دریغ نہ کرتا۔ غرض دفعتاً آسمان پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ اندھیرے میں یہ اندھیر ہوا۔ کہ ایک دوسرے کی صورت تو درکنار اپنا ہاتھ تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہوا اس زور سے چلتی تھی کہ گویا آج چل کر پھر نہ چلیگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید جنات کرکٹ گیند کھیل رہے ہیں جن کے ہاتھ میں ہوا کا بلا ہے۔ اور جہاز کو گیند تصور کر لیا ہے۔ ہوا کے تھپیڑوں سے کبھی جہاز آسمان پر جا لگا ہوتا تھا۔ اور کبھی تحت الثریٰ کی خبر لاتا تھا۔ بعض تو یہ سمجھ بیٹھے تھے۔ کہ عناصر سرگرم فساد ہیں۔ اور بعض کا یہ خیال تھا۔ کہ قیامت آ گئی ہنگامۂ محشر بپا ہے

اسرافیل صور قیامت پھونکنے کو تیار ہے۔ رعد کی گرج سے کانوں کے پردے
پھٹے جاتے تھے۔ کان کے پردے کیا شے ہوتے ہیں اس بلا کی گرج تھی کہ اُس
سے توپوں کے دھوئیں اڑ گئے۔ اس آفت ناگہانی میں جہاز کپتان کے ہاتھ
پاؤں پھول گئے۔ جہاز قابو سے جاتا رہا۔ جہاز پر کہرام مچ گیا۔ باپ بیٹے سے بھائی
بھائی سے دوست دوست سے جدا ہونے لگا۔ لوگوں کے گریہ و پکار کی
آواز تیزی ہوا میں عجیب بھیانک معلوم ہوتی تھی۔ اور چار سو عجیب قیامت کبریٰ
بپا تھی۔ ایسے طوفان میں جس نے طوفان نوح کی آبرو پر پانی پھیر دیا اس جہاز
کی کیا حقیقت تھی۔ دو چار ہچکولوں میں ہی اس کے انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے۔ اور
پاش پاش ہو گیا۔ لاکھوں روپیہ کا اسباب غرق ہو گیا۔ اہل جہاز تمام ڈوب گئے
صرف مظفر اور اُس کے دو ہمراہی ایک تختہ پر بہ نکلے۔ اس وقت بے اختیار
مظفر کے منہ سے نکلا ؎

درین دریائے بے پایاں درین طوفان موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسیہا

یہ تختہ جس پر مظفر اور اسکے دو ساتھی تھے۔ رات بھر سمندر کی سطح پر بہتا رہا
علی الصباح ایک پہاڑ کے برابر لہر نے اسے اٹھا کر کنارے پر ڈال دیا۔ یہ ایک جزیرہ
تھا جس میں صورت انسان عنقا تھی جس میں ثمردار درخت کثرت سے تھے
سیب ناسپاتی انگور۔ ناریل اور اخروٹ کے درخت تو اس افراط سے تھے
کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ اس جزیرے میں قدرت نے فرش زمردی
اس خوش اسلوبی سے بچھایا تھا۔ کہ سبحان اللہ اس زمردی فرش کی ہلامی کاشانی
مخمل پر اوس برساتی تھی۔ اس اشجری فرش کی سبزی سبزہ رخسار بتان ہند کو
کانٹوں میں گھسیٹتی تھی۔ اس جزیرہ میں صدہا طیور اور چرند و پرند رنگا رنگ کی
بولیاں بول کر ہوائیں جان ڈالتے تھے۔ انکا قدرتی راگ تان سین کو تان بتاتا
تھا۔ بیجو باورا کو یاد دلاتا تھا۔ اور سلمہ پکھاوجی کو انگلیوں پر نچاتا تھا چار دن

طرف آب شیریں کے چشمے جاری تھے جنکا آب زلال آب حیات کی آبرو کو خاک میں ملاتا تھا۔ وسط میں ایک پہاڑ آسمان سے کھڑا باتیں کر رہا تھا جسکی سیاہی گیسوئے حور کو پریشان کرتی تھی۔

اس جزیرہ میں سب کچھ موجود تھا۔ اور اسے دیکھ کر بے اختیار یہ ہی کہنا پڑتا تھا ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

مگر ایک ہی کمی تھی یعنی یہاں صورت انسان عنقا تھی اس جزیرہ میں یہ تینوں آوارہ وطن غربت نصیب تنہا کھڑے تھے۔ اور اپنی سلامتی جان کا شکریہ ادا کرتے تھے اور کہتے تھے

۱۔ صبر کرنا چاہئے جزع فزع سے کیا حاصل ہوگا۔

۲۔ ہائے صبر کہاں ؎

ہر گھڑی کہتے ہو صاحب صبر کی
بندہ عاشق ہے دیا ایوب کے

بھائی جان صبر کس مرض کی دوا ہے۔ بھائی چھوٹا۔ باپ چھوٹا۔ عزیز چھوٹے قریب چھوٹے۔ مال اسباب جو کچھ تھا چھوٹا اب تف ہے ایسی زندگی پر ؎

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر دہ کہیں اور ہم کہیں

منظفر (حالت یاس میں) انسان کیا سوچتا ہے اور خدا کیا کرتا ہے ؎

اے صبا کہیو ذرا بچھڑے ہوئے یاروں کو
راہ ملتی ہی نہیں دشت کے آواروں کو

۱۔ بھائی تم کس فکر میں ہو ابھی تو صبح کا سہانا سماں ہے اسلئے تمہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ تھوڑی دیر کے بعد آفتاب کی تمازت سے کیجا نکل پڑیگا۔

اب کوئی رہنے کا سامان کرو۔ کیس خواب خرگوش میں مبتلا ہو۔ یہ رونا تو خدا جانے کب تک رونا پڑیگا!!

۲۔ ہم تو اپنے جینے سے بیزار ہیں۔ مرنے پر تیار ہیں!!

مظفرؔ۔ صوام موت مرنا بھی اچھا نہیں!!

۱۔ خدا تمہارا بھلا کرے۔ جس خدا نے اس بلا خیز طوفان سے نجات دی ہے اُس میں سب قدرت ہے خود وہ قرآن مجید میں فرماتا ہے "ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر" خدا پر توکل کرو۔ اور دن کو دھوپ اور رات کو اس سے بچنے کے لئے ایک جھونپڑی بنا لو!!

۲۔ یہ ہم تب کریں اگر ہمیں جینے کی تمنا ہو۔ ہماری رائے میں ایسا جینا مرنے سے بدتر ہے۔ جب وہ لوگ جن سے ہماری زندگی تھی نہ رہے۔ تو ہمارے جینے پر تین حرف ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

مظفرؔ۔ خیر جو ہوا سو ہوا خدا پر بھروسہ کرو اور جو ہمارے یہ دوست کہتے ہیں اسپر عمل کرو۔ واقعی دھوپ چڑھتی جاتی ہے پھر کھڑا ہونا دشوار ہو جائیگا ؎

ما کار خویش را بخدا وند کارساز

بسپردہ ایم تا کرم او چہا کند

۲۔ اے ناصح مشفق یہ نصیحت مجھے نہیں چاہیئے۔ اب بندہ رخصت افسوس ہم نے اس دنیا کا کچھ نہ دیکھا ؎

باغ دنیا میں نہ ہو گا کوئی ہم سا بے نصیب

لے اسیر باغ میں آئے اور خالی دامن لے چلے

راوی یہ اس جوان نے یہ کہا اور سمندر میں کود پڑا۔ اس کا کودنا تھا کہ ایک نہنگ نے سمندر سے منہ نکالا۔ اور اُسے معاً غڑپ کر گیا۔

مظفر:- انا للّٰہ و انا الیہ راجعون!!

ا:- ؎ ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید
زجام دہر مئے کل من علیہا فان -

مظفر کو اس نوجوان کے مرنے کا بہت قلق ہوا مگر کیا کر سکتا تھا۔ قہر درویش بر جان درویش۔ ناچار دونوں نے ہی مل کر پتوں اور جھاڑیوں سے ایک جھونپڑی بنائی۔ اور چھت کی بجائے اس پر وہی تختہ جہاز کا رکھ دیا جوان کو کشتی بنکر اس جزیرے میں لایا تھا۔ اس جھونپڑی نے انہیں بہت فائدہ دیا دن کو تمازت آفتاب سے اور رات کو اوس اور بارش کی تکلیف سے بچایا۔ دونوں رفیق پھل پھلیری سے آتش اشتہا کو سرد کرتے تھے۔ اور دن کو اس جھونپڑی میں آرام کرتے تھے۔ اسی طرح کئی مہینے گزر گئے۔ ایک دن مظفر کا رفیق دیر تک دھوپ میں پھرتا رہا۔ اور واپس آکر گرم پانی سے نہا لیا۔ اس بے احتیاطی سے اُسے بہت بخار چڑھ گیا۔ اور سرسام ہو گیا۔

ا:- بھائی مظفر اب ہم بھی تم سے جدا ہوتے ہیں!!

مظفر:- (رو کر) خدا نہ کرے اتم تو میرے اس جدائی میں مونس اور غمگسار ہو!!

ا:- مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں اس بخار سے جاں بر نہیں ہوتا۔ اس بخار کو معمولی بخار نہ سمجھو!!

مظفر:- تم تو دل کے بڑے بودے ہو۔ تم مجھے توحصلہ دلایا کرتے تھے۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا!!

ا:- اب اخیر وقت ہے ؎

تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہونگے

مظفر کا دوست بیچارہ سچا تھا۔ اس مرض سے جاں بر نہ ہو سکا مظفر اس جزیرہ میں یکہ اور تنہا رہ گیا۔ اس دوست کا ساتھ لیے پھر بھی غنیمت تھا

یہ شخص بڑا زندہ دل اور باحوصلہ تھا۔ اور اکثر مظفر کو اداس ہونے نہ دیتا تھا۔ اس کے مرجانے سے مظفر کا یہ عالم ہوگیا کہ سڑی اور جنونی کی طرح کبھی روتا تھا کبھی ہنستا تھا۔ یہ جزیرہ اب اسے کھانے کو دوڑتا تھا۔ مظفر کو حسن آرا کی نصیحت اب یاد آئی۔ اور بہت رویا۔ مگر اب رونا فضول تھا ؎

چھوڑا وطن جنھوں نے ملے خاک میں ضرور
اے اشک دیکھ آنکھ سے میری رواں نہ ہو

باوجود اس ناکامی اس وحشت اور اس مایوسی کے مظفر کے دل میں امید تھی کہ میں ضرور وطن جاؤنگا۔ اور اپنی پیاری بیوی کی صورت دیکھونگا وہ ہر روز اس توقع میں تمام دن پہاڑ پر چڑھ کر بیٹھا رہتا تھا۔ کہ شاید کوئی جہاز ادھر سے گذرے اور اسے دیکھکر ساتھ لیجائے۔ اسی امید موہوم میں کئی سال گذر گئے۔ ہر روز آفتاب مشرق سے نمودار ہوتا تھا ہر روز مغرب میں غروب ہوجاتا تھا۔ ہر روز ماہتاب اور ستارے سطح سمندر میں چمکا کرتے تھے ہر روز دونو غایب ہوجاتے تھے۔ مگر جہاز نہ آتا تھا۔ نہ آیا۔ ایکدن مظفر اپنی جھونپڑی میں بیٹھا ہوا رو رہا تھا۔ کہ روتے روتے اسکی آنکھ لگ گئی عالم خواب میں کیا دیکھتا ہے۔ کہ گویا اسی بستی میں ہوں جہاں سے روانہ ہوا تھا۔ اور حسن آرا سرہانے کھڑی ہے ـ بزم آرا چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے پاؤں داب رہی ہے۔ اور ناصر کہانی سنا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر چونک پڑا۔ مگر آنکھ کھلی تو وہی جھونپڑی تھی۔ اور وہی جزیرہ تھا۔ اسی قسم کے وہم و خیال دن رات مظفر کے دل میں اٹھا کرتے تھے۔ وہ بیٹھا بیٹھا یہ دیکھتا تھا۔ کہ حسن آرا سامنے کھڑی ہے۔ بزم آرا اور ناصر کسی کھلونے پر جھگڑ رہے ہیں۔ اس کے گذشتہ ہمجولیوں کے لڑکے تول رہے ہیں۔ اسکا سبزہ گھوڑا جس پر سے ساحل پر گرا تھا۔ کھڑا ہنہنا رہا ہے۔ غرض عجیب دیوانہ وار ان کی طرف دوڑتا تھا۔ تو اسکو معلوم ہوتا تھا کہ یہ خیال ہی۔

صورتیں اُس کے وہم نے اُس کی نظروں کے روبرو پیش کی ہیں۔ اور فی الحقیقت اُن کا کوئی وجود نہیں ہے۔

ایک دن اسی طرح وہ ایک چشمہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اُس کے دل میں یہ خیال آیا کہ جب مجھے اس بستی سے آئے اس قدر دراز عرصہ ہُوا ہے اور اس قدر عرصہ میں میری کچھ خبر میرے وارثوں کو نہیں پہنچی تو اُنھوں نے ضرور یہی سمجھ لیا ہوگا۔ کہ میں مر گیا۔ یا کہیں غرق ہوگیا۔ اور خدا جانے ابتک میری اہلیہ زندہ بھی ہے۔ یا مر گئی۔ خدا جانے میرے بچوں کا کیا حال ہے خدا جانے اہلیہ میرے نکاح میں بھی ابتک ہے یا نہیں۔ ان خیالات میں وہ ایسا خود رفتہ ہُوا کہ تصور نے پھر حسن آرا کو اس کے روبرو لا کھڑا کیا۔ مگر اب کے حسن آرا تنہا نہ تھی اُس کے ساتھ کوئی غیر شخص تھا۔ جس کی صورت مظفر کی آنکھوں میں بالکل نا آشنا نہ تھی۔ یہ نقشہ دیکھ کر مظفر کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور اُن کی طرف جھپٹا تاکہ دریافت کرے۔ یہ کون اجنبی ہے۔ مگر وہاں سوائے ہُوا کے اور کچھ نہ تھا۔ اس وقت مظفر نے اپنا چہرہ پانی میں دیکھا کہ سر اور ڈاڑھی کے بال مثل برف کے سفید ہوگئے۔ اور بال اور ناخنوں کے بڑھ جانے سے اُسکی صورت بھیانک اور ڈراؤنی ہوگئی ہے مظفر کو پہلے تو دھوکا ہُوا کہ یہ کسی اور کا عکس پانی میں نظر آتا ہے۔ مگر پھر اُس نے اپنے آپکو پہچانا۔ اور اپنی قلب ماہیت پر آٹھ آٹھ آنسو رو دیا۔ اور دیر تک زمین پر گر کر دعا مانگتا رہا کہ اے خدا مجھے اس جزیرے سے نکال یا مجھے موت دے۔

اللہ کی شان۔ تیرہ سال تک مظفر کی دعائیں بالکل قبول نہوئیں جب قبول ہونے پر آئیں۔ تو کچھ دیر نہ لگی یہ سچ ہے ؎

تا نہ رسد وعدۂ ہر کار کہ ہست

سود نہ دہد یاری ہر یار کہ ہست

ایک دن مظفر حسب معمول اس پہاڑ کی چٹان پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اپنے ایام

یاد کر رہا تھا۔ کہ جزیرے کے کنارے پر اسے جہاز کے بادبان نظر آئے پہلے تو اُس نے
اس کو بھی تصور کا ظہور سمجھا۔ اور خوب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ پھر
جب اُسے یقین ہوا کہ واقعی جہاز ہے۔ تو دیوانہ وار کنارے کی طرف دوڑا یہ جہاز
بھی منظفر کے جہاز کی طرح ناموافق ہوا کے زور سے اس طرف آنکلا تھا۔ اتفاقاً
جہاز کا پانی بالکل ختم ہو گیا تھا۔ اہل جہاز نے یہ خوبصورت جزیرہ دیکھ کر
لنگر اندازی کی۔ اور پانی لینے کے لئے نیچے اُترے۔ جب یہ بن مانس اہل جہاز کے
درمیان آیا۔ تو وہ اس کی لمبی سفید ریش اس کی جٹائیں اس کے لمبے لمبے ناخن
اور سیاہ رنگ دیکھکر ڈر گئے۔ بعض نے تو بالکل یہ سمجھا کہ یہ اس جزیرے کا خرس
ہے۔ لیکن جب اس نے انکو اشارے سے بلایا اور میٹھے پانی کے چشمے پر لیگیا
تو اُنکو حیرت ہوئی۔ اور پھر جب منظفر نے اُن کو کلمہ کلام کرتے سُنا اور
اپنے ملک کی بولی اُس کے کانوں تک پہنچی۔ تو اس کی زبان جو مدت تک
استعمال نہ کرنیکے باعث بیکار ہو چکی تھی کھل گئی۔ اُس نے انہیں ٹوٹی پھوٹی عبارت
میں اپنا مطلب سمجھایا۔ اہل جہاز کو اس کی حالت پر ترس آیا۔ اور اسکو اپنے ساتھ
جہاز پر لے گئے۔ منظفر جب جہاز پر گیا۔ تو اُس نے مفصل حال الف سے لیکر
ی تک کپتان کے روبرو بیان کیا۔ پہلے تو اُس نے باور نہ کیا۔ پھر اُسے
رفتہ رفتہ یقین آگیا۔ اور سب ملکر منظفر کی دردناک حالت پر افسوس کرنے لگے
کپتان نے اپنے کپڑے منظفر کو پہنائے اُسکے بال کترے اسکی حجامت
کروائی منہہ ہاتھ دھلوایا۔ بارے منظفر نے اپنی صورت آئینہ میں دیکھکر شکر کیا
کہ الحمد للہ خرس کی جون سے آدمی کی جون میں آیا۔

قصہ مختصر کپتان نے اسی وقت جہاز کا لنگر اٹھایا۔ اور بعد از خرابی بصرہ
نظر آیا جہاں سے چودہ سال ہوئے۔ وہ خوشی خوشی رخصت ہوا تھا۔ کپتان نے
بڑی مہربانی سے کل اہل جہاز سے منظفر کیلئے چندہ وصول کیا۔ اور وہ روپیہ
اور ایک عمدہ جوڑا لباس کا دیکر اسکو رخصت کیا۔ منظفر نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔

جونہی زمین پر قدم رکھا سیدھا گھر کا رخ کیا۔ اور جب اس کوچہ میں پہنچا جہاں اس نے مکان حسن آرا کے لئے چلتے وقت خریدا تھا۔ تو وہاں کا نقشہ دیکھ کر حیران ہوگیا۔ وہاں ایک سوداگر کی دوکان تھی۔ اور بازار کی قطع ہی بدل گئی تھی۔ اُس نے دو ایک سے پتہ بھی پوچھا۔ مگر کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا منظفر نے ایک آہ کا نعرہ مارا۔ اور کہا یا آلہی حسن آرا مر گئی یا میرے لئے مرگئی۔

فصل چھٹی

اب اچھے قبر میں جا کر ہونگے

جس وقت منظفر کو اپنے گھر بار کا کچھ پتہ نہ لگا تو اُسے یاد آیا کہ اس شہر میں ایک سرائے ہے۔ چلو فی الحال اس میں ڈیرا ڈالیں۔ اس سرائے کا مالک ایک ضعیف العمر شخص تھا۔ جس کے ہاتھوں میں منظفر پلا تھا۔ اور منظفر کو یقین تھا۔ کہ وہاں سے کچھ نہ کچھ ضرور پتہ لگے گا۔

جب منظفر اس سرائے میں پہنچا تو اُس کو معلوم ہوا کہ مالک سرائے تو مدت ہوئی چل بسا اسکی بیوہ کاروبار چلاتی ہے۔ اور اسی کے نام سے اب یہ سرائے مائی مریم کی سرائے مشہور ہے۔ منظفر مائی مریم کو خوب جانتا تھا۔ اور اب اسے امید ہوئی کہ کچھ نہ کچھ پتہ لگ جاویگا۔ جب یہ مائی مریم کے روبرو گیا تو اُس نے اُس کو بالکل نہ پہچانا۔ مریم کے حق بجانب تھا۔ اب یہ منظفر اگلا منظفر نہ تھا۔ اسکا رعنا قد صدمات زمانہ سے خم ہو چلا تھا۔ اس کے سیاہ بال برف سے زیادہ سفید تھے۔ پہچانتی تو کس طرح پہچانتی۔

غرض اسی سرائے میں منظفر نے ایک کوٹھڑی کرایہ پر لے لی۔ اور سفر کی تکان

سے آسودہ ہوا۔ مائی مریم پہلے درجہ کی باتونی تھی۔ وہ مظفر کو خوش مزاج شخص
دیکھ کر اکثر اسی کے پاس آ بیٹھتی۔ اور اُس سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ اس کو کیا
خبر تھی۔ کہ یہ ذات شریف خود بدولت ہی ہیں اس نے کل قصہ مظفر کے بھاگنے
اور اسکے بعد حسن آرا کا منصور سے نکاح کر لینے کا کہہ سنایا۔ مظفر نے دم بخود
ہو کر تمام قصہ سُنا اور اثنا بیان میں ایک لفظ تک نہ بولا۔ آخر جب مریم نے
کہا کہ افسوس مظفر بیچارہ مع جہاز غرق ہو گیا۔ تو اُس نے دل میں کہا اب تک
تو غرق نہیں ہوا تھا۔ مگر اب ہو گیا۔

اس وقت مظفر کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح حسن آرا کو
پھر ایکبار دیکھئے تاکہ معلوم تو ہو کہ آیا وہ خوش و خرم ہے۔ یا کہ مغموم رہتی ہے پہلے
تو اس نے اپنے دلکو بہت روکا اور طبیعت کو بہت ٹالا کہ اب وہ غیر کی ہو گئی اب مجھے
اس سے کیا واسطہ مگر اسکی خواہش کسی طرح نہ کم ہوئی۔ اور اسکا اشتیاق دن بدن زیادہ
ہوتا گیا۔ آخر ایک دن سر شام وہ سرائے سے نکلا۔ اور منصور کے مکان پہنچا اور اما
کے سامنے آ کر بیٹھ رہا۔ جب آفتاب غروب ہونے پر آیا۔ تو اس نے آہستہ سے پائیں باغ
کا دروازہ کھولا اور چور کیطرح چھپتا چھپاتا باغ میں داخل ہوا مظفر کے دلمیں اس
وقت عجیب خیال آ رہے تھے۔ منجملہ اور باتوں کے جب یہ خیال آیا کہ یہی مکان ایکدن میرا تھا
اور اب میرے رقیب کا ہے تو اسکا دل ڈوب گیا مظفر نے دل مضبوط کر کے اپنے آپ کو
سنبھالا اور ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ وسط باغ میں ایک بیش بہا
قالین بچھا ہے۔ گاؤ تکئے لگے ہیں۔ خاصدان پاندان۔ وغیرہ اپنے اپنے قرینے سے رکھے
ہیں دسترخوان بچھا ہے اور اسکی حسن آرا۔ اب اسکی کیسی اب منصور کی حسن آرا منصور
کیساتھ پہلو بہ پہلو بیٹھ کر کھانا کھا رہی ہے حسن آرا کے مقابل بزم آرا بیٹھی تھی جو اسوقت
حسن و جمال میں حسن آرا سے دو چند خوبصورت تھی۔ بزم آرا کے پاس نامر غزال رعنا
کیطرح بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک دائی ایک چھوٹی لڑکی کو لائی۔ یہ حسن آرا کی چھوٹی
بیٹی منصور سے تھی منصور نے جو اسوقت نہایت خوش معلوم ہوتا تھا۔ اس لڑکی کو گود

خاطر رہتا تھا۔ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا ؎

سوز و گداز عشق کا لذت چشیدہ ہوں

مانند آبلہ ہمہ تن آب دیدہ ہوں

انسان کی زندگی کا مدار امید پر ہے۔ امید نہ ہو تو انسان کسی مصرف کا نہیں یہی ایک شئے ہے جو انسان کی زندگی کے لئے ایسی ضروری ہے جیسے کمانی گھڑی کے لئے مگر افسوس مظفر کے غمکدے میں چراغ امید ہمیشہ کیلئے گل ہو گیا تھا۔ غرض اُسے اپنی زندگی خود وبال معلوم ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ اسکی بھوک سو کھتی گئی۔ انسان اناج کا کیڑا ہے جوں جوں اس کی بھوک کم ہوتی گئی توں توں وہ کمزور و ناتواں ہوتا گیا۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ جملہ کار و بار سے معطل ہو گیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں صاحب فراش ہو گیا۔ جب اُسے زندگی کی کچھ اُمید نہ ہوئی۔ تو اُس نے مریم کو بلوایا۔

مظفر "یہ تو بتاؤ کیا حسن آرا کو اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ اس کا پہلا خاوند زندہ ہو"

مریم "ڈر کے آپ نے ایک ہی کہی۔ بلکہ اگر آپ اُسے یہ کہدیں کہ ہم نے مظفر کو اپنی آنکھ سے ڈھونڈ بتا دیکھا ہے۔ تو وہ بڑی خوش ہو۔ اور اس کو تسلی ہو جاوے"

مظفر "اس بات کی خوشی اسے عنقریب ہو جاویگی"

مریم "یہ تم نے کیا کہا"

مظفر "سنو دائی مریم میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں بشرطیکہ تم قسم کھاؤ کہ کسی سے نہ کہو گی"

مریم "وہ ایسی کونسی بات ہے جس کی بابت تم اتنی تاکید کرتے ہو"

مظفر "میں اب کوئی دن کا مہمان ہوں۔ اگر بہت جیا تو ایک دو دن اس لئے قران شریف لاؤ اور قسم کھاؤ تو تم سے ایک بات بتاؤں"

مریم:۔ خدا نہ کرے کہ تم مرو۔ یہ معمولی بیماری ہے تم جلدی اچھے ہو جاؤ گے۔

مظفر:۔ میں کہتا ہوں قرآن شریف لاؤ۔ اب اچھے قبر میں جا کر ہونگے۔

راوی:۔ مریم کانپتی ہوئی اٹھی اور قرآن شریف لائی۔

مظفر:۔ قسم کھاؤ۔

مریم:۔ مجھے اسی کلام اللہ کی قسم تمہارا راز کسی سے نہ کہوں گی۔

مظفر:۔ مائی مریم وہ بدبخت مظفر میں ہی ہوں۔

مریم:۔ تم اور مظفر؟ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" وہ تم سے بالشت بھر اونچا تھا۔ وہ تندرو سرکش تھا۔ وہ افلاطون کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اور بڑا مرد میدان تھا۔

مظفر:۔ وہ بدنصیب مظفر میں ہی ہوں۔ مجھے غموں نے خمیدہ کر دیا ہے میں وہی ہوں جو کسی کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اور اب میری کوئی پرواہ نہیں کرتا ہے

کرتا نہ گر کلام نہ پہچانتا کوئی

شیدا تو چند روز میں کتنا بدل گیا

راوی:۔ اس کے بعد مظفر نے کل حال کہہ سنایا۔ اور سارا قصہ اول سے لیکر آخر تک دُھرایا۔ یہ قصہ سن کر مریم کی آنکھوں سے جوئے اشک رواں ہوگئی اور اُس نے مظفر کو پہچانا اور دیر تک اُسے گلے لگا کر روتی رہی۔

مریم:۔ میں ابھی جاتی ہوں۔ اور حسن آرا کو خبر کرتی ہوں۔

مظفر:۔ مائی مریم کیوں مجھے دم نزع تنگ کرتی ہے۔ اپنی قسم یاد کر۔

مریم:۔ اگر حسن آرا سے نہیں ملتے تو اپنے بچوں کو بلا کر آخری دیدار تو دیدو۔

مظفر:۔ میں اپنا ارادہ پر مرتے دم تک قائم رہونگا۔

مریم:۔ بڑا زبردست شخص ہے۔

مظفر:۔ جس وقت میں مرجاؤں تو یہ بٹوا حسن آرا کو دیدینا۔ اور کہدینا اب پہچان نشانی درکار نہیں۔ یہ بٹوا اس نے مجھے جدا ہوتے وقت دیا تھا۔